Baitussalam.org | Baitussalam_org | Baitussalam_org | +9221-111-298-111

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

• جلد 07 / • شمارہ 07 / • فروری 2018

حیا

پردے میں رحمت بے پردگی میں نحوست

محبت اور احترام کے رشتے

زیرِسرپرستی

عبدالستار

فہم و فکر

ویلنٹائن ڈے	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	06
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	07
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

سنت کے راستے	محمد کاشف تبسم	10
محبت اور احترام کے رشتے	اہلیہ محمد	12
امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	14
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	16
کریڈٹ کارڈ کے غلام	شیخ جابر	18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
حیا	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	22

خواتینِ اسلام

انوکھی تربیت	بنتِ عبد الرحمان	24
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	26
ماں کی دُعا	ڈاکٹر الماس روحی	28
سحر	وزیہ ظفر	32
اسلام کی باہمت خواتین	اہلیہ محمد فیصل	34

باغیچہ اطفال

میں میں	زبیر فرید	36
مچھیرے کی مچھلی	ڈاکٹر الماس روحی	37
انعامات ہی انعامات		38
ننھے ادیب		39

بزمِ ادب

موجِ تبسم	ابنِ تبسم	41
شرم و حیا کے پھول	جوہر عباد	42
میری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں	اثر جونپوری	43
صبر و رضا کی پتلی		43
بچوں کے فن پارے		45
گلدستہ		46
باتیں آپ کی		49

اخبار الاسلام

خبرنامہ	ادارہ	50

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

فروری 2018ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	محمد کاشف تبسم
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظر ثانی	طارق حمزہ
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل سٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

ویلنٹائن ڈے
تہذیبوں کی جنگ

مدیر کے قلم سے

اقبالؒ کی وفات کے وقت جاوید کی عمر بمشکل چودہ سال ہوگی' لیکن اقبالؒ کی دوراندیش آنکھیں شاید یہ دیکھ چکی تھیں کہ میرے بعد میرا بیٹا ایسے نازک زمانے کو بھی دیکھنے والا ہے' جس میں مغرب کی حیاباختہ معاشرت گلاب کے پھولوں میں سجا کر نئی نسل کو پیش کی جائے گی تو تڑپ کر اپنے بیٹے جاوید کے نام لکھ ڈالا :

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اقبالؒ یہ فکر دے کر اس دُنیا سے چلے گئے' لیکن وہی سانحہ ہونے جارہا ہے' جس کا اقبالؒ کو ڈر تھا' دشمن پتّا پھینک چکا ہے ""ویلنٹائن ڈے کا پتّا""۔ یہ مسلمانوں کی عصمت وناموس کے سودے کی بازی ہے' اسے اس بازی میں بہت دِل چسپی ہے' وہ اسے کسی صورت میں ہارنا نہیں چاہتا۔ صلیبی جنگوں میں پے درپے شکست کھانے کے بعد اُس نے یہ طے کرلیا تھا کہ جب تک اس قوم میں ایمان اور غیرت موجود ہے' اسے شکست نہیں دی جا سکتی' چناں چہ فحاشی اور عریانی کے کے پھیلاؤ کے جتنے منصوبوں پر بھی وہ کام کر رہا ہے' ان سب کا مقصد مسلمان قوم کو ایمانی غیرت سے کنگلا کرنا ہے' اور اب آخری پتّا اس نے ""ویلنٹائن ڈے"" کا کھیلا ہے' لیکن شاید اسے اندازہ نہیں کہ دوسری طرف بھی محمد عربی ﷺ کے نام لیوا ہیں' ویلنٹائن ڈے کے نام پر فحاشی کے دلدل میں دھنستے نوجوانوں کے لیے کسی اللہ کی بندی کا یہ جواب کافی نہیں ہے کیا کہ :

یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو
میری زندگی میں تو چاہتوں کی کمی ہی نہیں
اپنی ماں کی تربیت ہوں میں' عزت ہوں اپنے والد کی
مان ہوں اپنے بھائی کا' نشانی ہوں اپنی بہنوں کی
تو بہک جاؤں میں' یہ کبھی ممکن ہی نہیں
کہ دِل میں وہ سب ہی تو رہتے ہیں' کوئی اور نہیں

قارئین! کیا کسی کی غیرت اس بات کو گوارہ کرے گی کہ وہ کسی مہ رُو کو ""ویلنٹائن"" بنانے کی منصوبہ بندی کررہا ہو اور کوئی دوسرا اس کی آبرو کو ""ویلنٹائن"" بنانے کے چکروں میں لگا ہو۔ ایک عربی شعر میں تو اسے ""قرضہ"" بتایا گیا ہے' جو لوٹانا پڑے گا اور کاش کہ ہم سمجھیں کہ یہ بہت بڑی قیمت ہے جو ہمیں اپنی ""وقتی لذت"" کی چُکانی پڑے گی اور پتا ہے یہ شعر کہے کس نے ہیں' اسلام کی نامور شخصیت حضرت امام شافعیؒ نے' ملاحظہ فرمائیں :

اِنَّ الزِّنَا دَیْنٌ فَاَقْرِضْتَهٗ کَانَ
الْوَفَاءِ مِنْ أَهْلِ بَیْتِكَ فَاعْلَمْ

ترجمہ : ""زنا قرض ہے اگر تم نے یہ قرض لیا تو یاد رکھو اس کی ادائیگی پھر تمہارے گھر والوں سے ہوگی۔"" اچھا پھر حضرت امام شافعیؒ نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا' بل کہ اگلے ہی شعر میں یہ بھی بتا دیا کہ ہمارے گھر میں ہماری بہن بیٹی بیوی کی عزت کیسے محفوظ رہ سکتی ہے' فرمایا :

عِفُّوْا تُعِفَّ نِسَاؤُکُمْ فِی الْمَحْرَمِ
وَ تَجَنَّبُوْا مَا لَا یَلِیْقُ بِمُسْلِمِ

ترجمہ : ""تم اپنی عزت کی حفاظت کرو' تمہاری عورتوں کی عزتیں گھروں میں محفوظ رہیں گی۔"" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب ہم میں سے کسی کی نظر کہیں بھی بھٹکتی ہے تو وہ در حقیقت اپنے ہی گھر والوں کی عزت پامال کرنے کے اسباب اکٹھے کر رہا ہوتا ہے۔ کیا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ نامحرم کی محبت در حقیقت ہمارے ایمان کی تجارت ہے' جس میں ہم روز تھوڑا تھوڑا ایمان بیچتے ہیں اور اس کے بدلے میں ایسی محبت خریدتے ہیں جو ہمارا سکون برباد کر کے رکھ دیتی ہے' نیک اعمال ضائع کر دیتی ہے اور بے حیائی پر بے باک بنا دیتی ہے۔ یہ محبت نہیں گناہ ہے گناہ۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر ایک نظر ڈالیے :

اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِیْ صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (صحیح مسلم)

کہ ""گناہ وہ ہے جو دِل میں کھٹکے اور تو اس بات کو نہ پسند جانے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔"" پھر یہ کیسی محبت ہے جس میں پھول بھی چھپ کر دینا ہو؟ یہ کیسی محبت ہے جس میں میسج بھی لحاف میں گھس کر کرنا ہو؟ یہ کیسی محبت ہے جس میں صرف ایک منٹ کی کال کرنے کے لیے بھی سب سے نظریں چُرا کر ڈائننگ ٹیبل سے بار بار اُٹھ کر جانے کی ضرورت پیش آئے؟ ہاں یہی نشانی ہے حرام محبت کی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تو اسے محبت کہتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔ کس کو نہیں پتا کہ ہم جسے ایک ""بہت جلد مرجھا جانے والا پھول"" دے کر یا ""ایک سستا سا کارڈ"" دے کر اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں' وہ بے چاری اس شش وپنج کا شکار ہے کہ اتنی ساری آفروں میں سے کس کی آفر کو قبول کرے اور کس کو رَد کرے۔ اس کو تو ""محبت"" کہنا بھی محبت کی توہین ہے۔ یہ تو بس بے وفائی' محبت کے نام پر کھلواڑ' عزتوں کی نیلامی' حیا کا جنازہ' ماں باپ کو جیتے جی مار دینا' بہن بھائیوں کی چاہتوں کو کرچی کرچی کرنا' خاندانی روایات سے بغاوت' نبی کریم ﷺ کا دِل دُکھانا' خدا کی زمین پر کھلے بندوں اس کی نافرمانی کرنا اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑانا ہے۔

قارئین! یہ ہماری نادانی کی انتہا نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ ہم اب بھی اسے ""محبتوں کی معراج"" کا دِن سمجھتے رہیں۔ قارئین! یہ موت ہے موت' یہ ہمارے ""شعور"" اور ""احساس"" کی موت ہے' ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ اِن کے ہوتے ہوئے ہم ""بے لوث محبتوں"" کو ٹھکرا کر چند لوچ دار رنگین الفاظ کے جھانسے میں آجاتے! یہ خاندانی نظام کی موت ہے' بل کہ اس سے آگے بڑھ کر یہ پورے معاشرے کی موت ہے' پھر اندیشہ ہے کہ کہیں ہر چوک میں وہ جھولا نظر نہ آنے لگ جائے' جس پر لکھا ہوتا ہے کہ

""قتل نہ کریں۔۔۔ جھولے میں ڈالیں""

قارئین! ایک دفعہ پھر علامہ محمد اقبالؒ یاد آگئے' وہ قوم کی بیٹیوں کی عزت وآبرو کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ دیکھیے اقبالؒ جنگِ طرابلس میں شہید ہونے والی اسلام کی بیٹی فاطمہ بنتِ عبداللہ کا تذکرہ کیسے احترام بھرے الفاظ سے کرتے ہیں :

فاطمہ! تو آبروئے ملتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

پھر ایک جگہ ""گھر کی چار دیواری"" کو چھوڑ کر ""بازار کی زینت"" بننے کی خواہش کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ نام کی ""روشن خیالی"" ہے' اس سے زیادہ سے زیادہ آنکھ روشن ہوتی ہے' دل کا آئینہ تو خدا کے نور سے محروم ہو جاتا ہے' ملاحظہ فرمائیے :

رُسوا کیا اِس دَور کو جَلوت کی ہَوَس نے
روشن ہے نگاہ' آئینۂ دِل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و اَبتر
آغوشِ صدف (پردہ) جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

آج تعلیم کے نام پر مسلمان بیٹیوں کو جس قیمتی دولت سے محروم کیا جارہا ہے' اقبالؒ کو وہ موت نظر آرہی ہے' اس لیے کہ وہ دین سے بیگانہ تعلیم ہے' اس کے بعد اولاد نہ ملک وملت کی بنتی ہے اور نہ والدین کی۔ ملاحظہ فرمائیے :

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

قارئین! اب آپ آخر میں اللہ کے عاشق ایک نوجوان کا حال بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ایک طرف تو وہ خود حسن ہی حسن ہے' جسے قدرت نے مجسمۂ حسن بنایا' حضرت یوسفؑ! اور دوسری طرف بھی ناز ونعم میں پلنے والی شاہِ مصر کی بیوی زُلیخا' وہ بھی تو حُسن کی دیوی سے کچھ کم نہ ہوگی' لیکن جب وہ حسن کی دیوی برائی کی دعوت بن کر سامنے آئی تو ملتِ اسلامیہ کے نوجوانو! ہم تو ایک پھول لے کر جوتیاں چٹختے پھرتے ہیں۔ سنو! اسلام کے اس حسین فرزند کا جواب سنو! جو اس کے رب نے قیامت تک کے لیے قرآن میں محفوظ فرما دیا۔ کہنے لگے : مَعَاذَاللہِ! اللہ کی پناہ! وہ نظر بھر کر تو کیا دیکھتے؟ وہ تو ایک لمحے کے لیے وہاں رُکے بھی نہیں اور یوں دوڑ لگائی' جیسے آدمی آگ سے ڈر کر بھاگتا ہے اور محل سے باہر نکل کر سانس ہی لیا۔ یہ تو اسلام کے ایک فرزند کا حال ہے۔ اب ایک اللہ کی بندی کا بھی حال سنیے' اسے برائی کی دعوت نہیں دی گئی تھی' اس کے پاس تو خدا کے فرستادہ حضرت جبریلؑ آئے تھے' بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی وِلادت کی خوش خبری لے کر' آنے والے کی نظر میں بھی کوئی برائی نہیں تھی' وہ تو نظریں جھکا کر آئے تھے' لیکن وہ اللہ کی بندی غیر مردوں سے ملنے سے کتنا بچتی ہوگی' کہنے لگیں :

اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا

ترجمہ : ""میں تم سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں'
اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ۔)""

قارئینِ گرامی! قرآن اور اقبالؒ کے بعد کچھ کہنے کو باقی نہیں رہ جاتا' بس اتنا ہے کہ اس منحوس رسم کو کھیل تماشے میں بھی منانے سے بچنا چاہیے۔ اس کے میسجز کو بھی اَنجانے میں فارورڈ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک آگ ہے جس سے اپنے آپ کو اور اپنے پیاروں کو بچانے کی ضرورت ہے اور یہ ایک جنگ ہے جس سے ملتِ اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

قارئین! اس دفعہ کا شمارہ کیسا لگا۔ ضرور بتائیے گا' کیوں کہ آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

(آل عمران:72-77)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (72)

ترجمہ: اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ "جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصے میں اس سے انکار کر دینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) بِھر جائیں (1)۔ (72)

تشریح نمبر 1: بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ اسکیم بنائی تھی کہ ان میں سے کچھ لوگ صبح کے وقت اسلام لانے کا اعلان کر دیں اور پھر شام کو یہ کہہ کر اسلام سے پھر جائیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو قریب سے جا کر دیکھ لیا، آپ ﷺ وہ پیغمبر نہیں ہیں، جن کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مسلمان یہ سوچ کر اسلام سے برگشتہ ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ جو تورات کے عالم ہیں، جب اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو ان کی بات میں ضرور وزن ہوگا۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (73)

ترجمہ: مگر دل سے ان لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا، جو تمہارے دین کے متبع ہیں۔ "آپ ان سے کہہ دیجیے کہ ہدایت تو وہی ہدایت ہے، جو اللہ کی دی ہوئی ہے۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اس جیسی چیز (یعنی نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی، جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رب کے آگے تم پر غالب کیوں آگئے!" آپ کہہ دیجیے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (73)

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (74)

ترجمہ: وہ اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کر لیتا ہے اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ (74)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (75)

ترجمہ: اہلِ کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، اِلّا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس لیے ہے کہ انھوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ "اُمیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔" اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (75)

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (76)

ترجمہ: بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔ (76)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (77)

ترجمہ: (اس کے برخلاف) جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بات کرے گا، نہ انھیں (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک...!! (77)

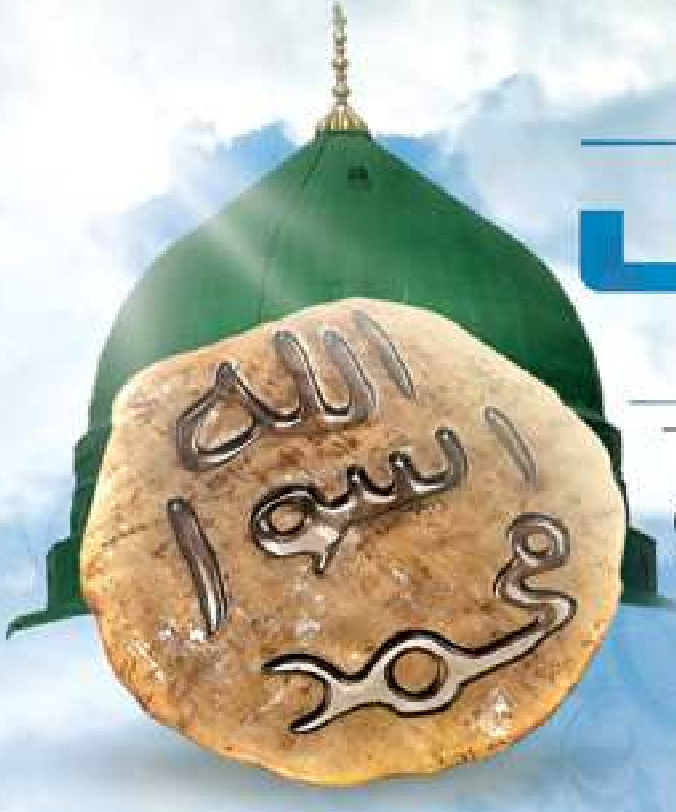

فہمِ حدیث

ظرافت ومزاح

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُهٗ قَبِیْحٌ

ترجمہ... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔ اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔ (سنن دارِ قطنی)

عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً

ترجمہ... حضرت ابی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت کے ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِیْدٍ "اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ"

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات، جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: "اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ" (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح... یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مصرعہ: "اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ" کو شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ، اس لیے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کا بالکل ہم معنی ہے۔ "كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے "وَكُلُّ شَیْءٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ" (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔)

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے، وہ انھوں نے اپنے دورِ جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ نے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ "یَكْفِیْنِی الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن کے لیے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔ حافظ ابنِ حجر کے بیان میر کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں 156 سال کی عمر میں وفات پائی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَیْءٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِیْهِ فَاَنْشَدْتُّهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ بَیْتًا فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ مِائَةَ بَیْتٍ

ترجمہ... عمرو بن شرید اپنے والد شرید بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی سواری پر سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں امیہ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سناؤ! تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ۔ میں نے ایک اور بیت سنایا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا اور سناؤ۔ تو میں نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) (صحیح مسلم)

تشریح... امیہ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری خدا پرستانہ تھی، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو جیسا اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: "لَقَدْ كَادَ یُسْلِمُ فِیْ شِعْرِهٖ۔" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ امیہ بن الصلت ثقفی کے اشعار سن کر فرمایا: "اٰمَنَ شِعْرُهٗ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ" (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) امیہ نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہنچی، مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

پردے میں رحمت بے پردگی نحوست

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

دِل پاک ہو تو آنکھوں کا کیا پردہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ 'دل کی نیت ٹھیک ہونی چاہیے 'آنکھوں کا کیا پردہ' ہماری آنکھیں تو بالکل پاک صاف ہیں' میری بیٹیاں بہت شریف ہیں' ہمارے گھر کا ماحول بہت پاکیزہ ہے' ہماری سوسائٹی بہت اچھی ہے۔ کیا ان کا دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پاکیزہ ہے کیوں کہ اللہ تعالی نے پردے کا حکم نہ صرف عام صحابیات بلکہ ازواج مطہرات کو بھی دیا تھا' جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے : (اللہ کو یہ منظور ہے کہ) تم سے آلودگی کو دور رکھے۔ (احزاب : 33) یعنی اللہ تعالی نے انھیں ہر طرح کی گندگی سے پاک بھی رکھا ہے' پھر بھی ان سے فرمایا تم پردہ کر لو اور نامحرموں سے نرمی بات نہ کرو۔ ملاحظہ ہو' سورہ احزاب کی آیت نمبر 33 'ارشاد ربانی ہے : ''تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (کہ جب ضرورتا بولنا پڑ جائے) نزاکت مت کرو۔ (اس سے) ایسے شخص کو (طبعا) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے' جس کے دل میں خرابی ہے اور قاعدہ عفت کے مطابق بات کہو۔'' عورت کی زبان میں اللہ نے فطری طور پر نرمی اور دل کشی رکھی ہے 'اس لیے فرمایا اگر کسی غیر محرم سے گفتگو کی نوبت آجائے تو آواز میں تھوڑی سی تلخی اور سختی پیدا کر لو' تاکہ سامنے والے کسی مریض کے مرض میں اضافہ نہ ہو جائے۔

ذرا سوچیں تو سہی! سوچیں تو سہی کہ یہ بات کس سے کہی جارہی ہے' حضور ﷺ کی رفیقہ حیات سے جن کی پاک دامنی سورہ نور میں بیان کی گئی' آسمان سے جب فرشتہ جب اللہ کا پیغام لے کر آرہا ہوتا تھا' تو ساتھ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سلام بھی آرہا ہوتا تھا' ان کی پاکیزگی اور طہارت کا یہ عالم تھا کہ قرآن نے سورہ احزاب میں ہی آیت نمبر 6 میں یہ گواہی بھی دی ہے کہ ''نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔'' یہ اہل ایمان کی روحانی مائیں ہیں' ان سے گفتگو کرنے والے بھی صحابہ کرام تھے' ساری دنیا کے اولیاء' مفسرین' محدثین مل کر بھی ایک صحابی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے صحابہ کرام کی شان کچھ اس طرح بیان کی ہے : ''یہ وہ لوگ ہیں' جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے خاص کر دیا ہے (حجرات : 3) یعنی اللہ نے انھیں صرف دستر خوان پہ نہیں' میدانوں' مکہ کی گلیوں میں' دولت لے کر' عزت کی قربانی لے کر' اولاد' وطن چھڑا کر زخمی کروا کر امتحان لیا اور نتیجہ سنایا' کہ ان دلوں میں سوائے پاکیزگی کے اور کچھ نہیں۔

کیسی اور کیا گفتگو ہوتی تھی؟ ایک طرف یہ کامیاب ہستیاں اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور ان کے درمیان جو باتیں ہوتی تھیں وہ کوئی دنیا کی باتیں نہیں ہوتی تھیں' بلکہ وہ بھی دین سے ہی متعلق ہوتی تھیں۔ مسائل کے بارے میں گفتگو ہوتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی زندگی کے بارے میں سوالات ہوتے تھے : نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے کیسے تھے؟ دستر خوان پر کیسے بیٹھتے تھے' بستر سے کیسے اٹھتے تھے' گھر میں خلوت کی نمازیں کیسی ہوتی تھی۔ یہی گفتگو اور ایسے ہی سوالات ہوتے تھے' لیکن قرآن کریم کا ازواج مطہرات کے لیے حکم تھا : ''تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جب کہ ضرورتا بولنا پڑے) نزاکت مت کرو۔'' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حکم تھا : ''اور جب ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔''

ایمان کے تقاضے: جو یہ کہتے ہیں' دل کا پردہ ہونا چاہیے' ان کا صحابہ کرام کے بارے میں کیا خیال ہے' کیا ان کے دل صحابہ سے زیادہ پاکیزہ ہیں؟ کیا ان کی خواتین کے دل ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے زیادہ پاک صاف ہیں؟ دل کے پردے کی بات وہ کر رہے ہیں جنھیں قرآن کی تلاوت کا پتا نہیں' پاکی ناپاکی کے مسائل کا علم نہیں' حلال' حرام کی تمیز نہیں۔ حالاں کہ یہ شریعت کا حکم ہے' یہ فرض ہے' اس پہ عمل کرنا فرض ہے' ایمان کا تقاضا ہے۔

پردے کے حکم میں زبردست اہتمام: ایمان والوں اور ایمان والیوں سے کہا جارہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی کر لو' اس سے تمھاری پاک دامنی محفوظ رہے گی' شرم و حیا محفوظ رہے گی۔ کیسے محفوظ رہے گی' کہ اپنی زیب وزینت کا دکھلاوا نہیں کرنا' پھر وہ سارے راستے تفصیل کے ساتھ گنوادیے۔ سورہ نور آیت نمبر 31 میں ان تمام رشتوں کو گنوادیا' جن سے پردہ نہیں' اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ جن کا ذکر اس فہرست میں نہیں' اتنا اہتمام شریعت نے کیوں کیا؟ اتنے اہتمام سے تو نماز کی بھی تفصیل نہیں بتائی' صرف وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہہ دیا کہ نماز قائم کرو' زکوۃ کی بھی اتنی تفصیل بیان نہیں کی' صرف وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کہا' کہ زکوۃ ادا کرو۔ روزے کی بھی اتنی تفصیل بیان نہیں کی' كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کہہ دیا کہ تم پر روزے فرض کیے گئے۔ حج کی بھی اتنی تفصیل نہیں بتائی گئی بلکہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کہہ دیا' لیکن جب پردے کی باری آئی' تو ان تمام رشتوں کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا' جن سے پردہ نہیں ہے۔ ان کے علاوہ سب سے پردہ ہے' خالہ زاد ہو' چچازاد ہو یا پھوپھی زاد' دیور ہو یا جیٹھ ان سب سے پردہ ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ ہاں ایسا نادان جسے مرد و عورت کے مسائل سے کوئی تعلق نہ ہو' یا ایسا معصوم بچہ جو ابھی بلوغت تک نہیں پہنچا ہو' جسے ان چیزوں کا پتا ہی نہیں ہے' اس سے پردہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا پاؤں کو زمین پر زور سے نہ مارو' کہیں تمھارے پازیب کی آواز باہر نہ سنائی دے۔ ارے جہاں پازیب کی آواز کے پردے کا اہتمام قرآن بتارہا ہے' تو کیا وہاں چہرے کا پردہ نہیں ہوگا؟

ازدواجی زندگی پُر سکون بنانے کا نسخہ: اللہ نے فرمایا : اب تک جو کوتاہی ہوئی ہے' اس پر اللہ سے معافی مانگ لو' اگر تم فلاح چاہتے ہو' اس دنیا میں سکون چاہتے ہو' اس دنیا میں اپنے گھروں کو آباد کرنا چاہتے ہو' معاشرے کی بربادی سے بچنا ہو' اپنی اولاد کی حفاظت چاہتے ہو' اپنی نسلوں کی حفاظت چاہتے ہو' اپنے گھروں میں خوشیاں دیکھنا چاہتے ہو' میاں بیوی کے درمیان اعتماد والی فضا دیکھنا چاہتے ہو' بیوی کے اندر وفا دیکھنا چاہتے ہو' شوہر کو وفادار دیکھنا چاہتے ہو' ازدواجی زندگی کو سکون کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو پھر ضروری ہے کہ اس فریضے پر عمل کرو تاکہ فلاح تمھارا مقدر ہو اور کامیابی تمھارے قدم چومے۔

بے پردگی کی نحوست: خدا کی قسم آج جو بنے بنائے گھر اجڑ رہے ہیں' اس کی وجہ صرف بے پردگی کی نحوست ہے' یہی آزادانہ میل جول ہے' آج جو گھروں کے اندر نفرتوں کا ماحول ہے تو اس کی بنیادی وجہ بھی یہی بے پردگی ہے۔ آج میاں بیوی کے درمیان جو اعتماد نہیں ہے' تو اس کی بڑی وجہ بھی یہی بے پردگی کی نحوست ہے۔ آج جو ایک کا رُخ اس طرف اور دوسرے کا اُس طرف ہے' تو اس کی ایک بڑی وجہ بھی بے پردگی والا ماحول ہے۔ 'آج جو طلاقوں کی کثرت ہے تو اس کی بھی بڑی وجہ بے پردگی کا گناہ ہے' حالاں کہ مسلمانوں کے معاشرے میں طلاق کا نام بھی نہیں سنا جاتا تھا۔

پردہ کتنا فرض اور کیسا فرض ہے؟ جس طریقے سے نماز فرض ہے' جس طریقے سے صاحب مال پر حج فرض ہے اسی طریقے سے مسلمان عورت کے لیے غیر محرم سے پردہ کرنا فرض ہے۔' باپ' شوہر اور بھائی کے ذمے اسے پردہ کروانا فرض ہے۔ پھر ایک لحاظ سے یہ پردے کا معاملہ تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے' اس لیے کہ نماز ایک ذاتی فعل ہے' اگر اس میں کوتاہی کی جائے گی' تو اس کا وبال کوتاہی کرنے والے تک ہی محدود رہے گا' لیکن اگر پردے کے حکم میں مسلمان عورت کوتاہی کرے گی تو اس کا وبال صرف اس عورت تک ہی محدود نہیں ہوگا' بلکہ اس سے سارا معاشرہ گندا ہو جائے گا' سوسائٹی گندی ہو جائے گی اور جن کی نگاہیں غلط استعمال ہوں گی' ان سب کا وبال بھی اس بے پردگی کرنے والی پر پڑے گا۔ اور پھر ایسا نہیں ہے کہ پردے کا حکم قرآن میں صراحتہ نہ ہو' کئی دوسرے احکام کی طرح ائمہ مجتہدین نے سوچ و فکر کر کے نکالا گیا ہو' بلکہ پردے کا حکم بہت صاف' صریح الفاظ میں دیا گیا ہے۔ کہ اس فریضے کو پورا کرو اس حکم پر عمل درآمد کرو۔

پردے کا اہتمام سب پر لازم ہے: بسا اوقات آدمی اپنے گھر اپنے خاندان کے بارے میں حد سے زیادہ پُرامید ہو جاتا ہے کہ ہمارے گھر' خاندان والے بڑے شریف ہیں' ہمارے ہاں کوئی بُرائی نہیں' ایسے لوگوں کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جس کی طہارت اور پاکیزگی کی نظیر زمین و آسمان نے نہیں دیکھی' جن کی پاک دامنی کی کوئی مثال نہیں ملتی' انھیں بھی اللہ نے پردے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب خواتین ایمان لانے آیا کرتی تھیں' تو آپ انھیں سامنے نہیں بٹھاتے تھے' بلکہ پردہ کروا کر ان سے بیعت لیا کرتے تھے اور ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوایا کرتے تھے۔

پردے کا خاتمہ: آج ہماری بچیوں میں پردہ کرنے کی عادت ہی ختم ہو گئی ہے حالاں کہ کبھی یہ حال ہوا کرتا تھا' کہ ان کے سروں سے کپڑا نہیں اترتا تھا' ایسی وبا پھیلی ہے کہ دین داروں نے بھی ہتھیار ڈال دیے ہیں' آج جن گھرانوں کو ہم دین دار سمجھتے ہیں' وہ پردے کی جس سطح پر ہیں اور اس پر بڑے مطمئن ہیں' وہ کوئی خاص سطح نہیں' اس لیے کہ وہ تو لوگوں کو برہنہ دیکھ رہے ہیں' بے لباس دیکھ رہے ہیں' لوگوں کو بے لباس دیکھنے والی اگر اپنے سر پر دوپٹہ کر لے گی' تو اپنے آپ کو بزرگ سمجھے گی' جب بے لباسوں کو دیکھنے والی اپنے سر پر اسکارف پہن لے گی' تو اپنے آپ کو اللہ والی سمجھے گی۔

گناہ پر ندامت: گناہ پر ندامت ہو تو یہ اتنی خطرناک بات نہیں' ندامت کی برکت سے اللہ معاف کر دے گا' خطرے کی بات یہ ہے کہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے' پھر گناہ اندر ہی اندر ایمان کو کھاتا چلا جاتا ہے' اللہ ہم سے پوچھے گا کہ یہ حکم تم نے کیوں پورا نہیں کیا؟ وہاں یہ سہارا نہیں چلے گا' کہ برادری نے کہا تھا' اس دن تو بڑا سخت حساب ہوگا' اس لیے ہمت کے ساتھ ساتھ اللہ سے توفیق بھی مانگی جائے کہ اے اللہ! یقیناً اس معاشرے میں میں بہت ہی بے ہمت ہوں' ساری سوسائٹی اور ماحول میرے خلاف ہے' لیکن میرے مولا! میں ہمت کر کے تیرا بننا چاہتا ہوں' مولی میری مدد فرما' پھر دیکھیے اللہ کیسے راستہ نکالتا ہے۔ یقین رکھیے عزت اللہ کو راضی کرنے ہی میں ہے' ہمت کر کے پردے کے اس حکم کو بھی اپنے گھروں کے اندر زندہ کریں' پھر دیکھیں اللہ کیسے گناہوں سے بچنے کی برکات سے مالا مال کرتا ہے' کیسے سکون اور راحت کی کامیابیاں نصیب فرماتا ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق نصیب فرمائے!

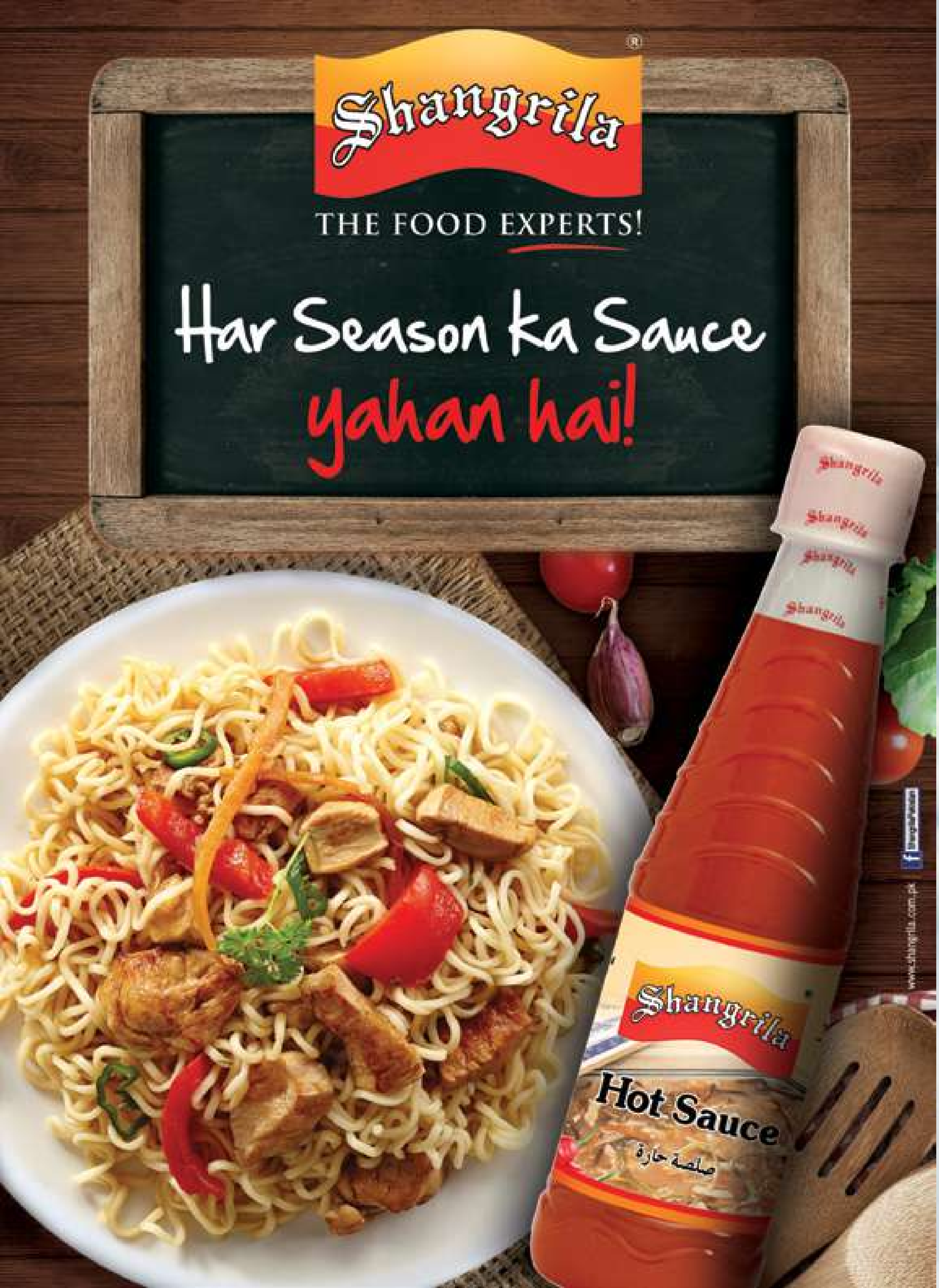

معاشرت ،معیشت ،معاملات ،سیاست ،تعلیم و تعلّم اور سب سے بڑھ کر فکر و نظر کے راستوں میں سنت کی لاٹھی کا سہارا لیے بغیر ہم چل ہی نہیں سکتے۔

لوگ کہتے ہیں سنت کا تعلق تو دینی مسائل اور معاملات سے ہے...دنیاداری میں سنت سے کیا لینا...دنیا سے سنت کا کیا رشتہ...؟

یہ کس نے کہہ دیا کہ سنت صرف دین تک ہی محدود ہے۔ وہ دینِ فطرت ہی کیا جو تمام مسائل کا حل نہ دے سکے۔

فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا۔ ’’اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر چلو ،جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔‘‘ (سورۃ روم : 30)

یہ کہیں دین و دنیا کی تفریق کے بہانے لوگ سنتوں کے راستے سے بہکانا تو نہیں چاہتے؟ نجانے کیوں اپنے محبوب آقا ﷺ کی سنتوں سے ہٹ کر غیروں کے نظام میں امن کی کنجی ڈھونڈتے ہیں...؟ شاید تاویلات و تحریفات کے ذریعہ سے دین میں بگاڑ تو پیدا کیا جاسکتا ہے ،مگر عشق کی آنکھ سے بھلا سنت کی راہ کبھی اوجھل ہوسکتی ہے!!! نہیں! ہرگز نہیں! اقبال تیرا اقبال بلند رہے۔ کیا خوب کہا :

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

جی ہاں! عشق پر اعمال کی بنیاد رکھنے والے سچے عاشقانِ رسول ﷺ سے یہ بات چھپا نہیں کرتی۔ اپنی دنیا کو ’’سنت‘‘ کے مطابق ڈھالنے کا نام ہی تو دین ہے...دنیا میں ’’سنت‘‘ پر چلنے کو

سنت کا مفہوم

محمد کاشف تبسم

ہی تو دین کہتے ہیں...آیئے! ذرا اپنے نبی ﷺ سے اپنے رشتے کے بحرِ محبت میں غوطہ زن ہو کر سنت کا مفہوم سمجھتے ہیں۔

سنت کا مفہوم: شام کے ایک بہت بڑے عالمِ دین شیخ عبدالفتاح ابو غُدّہؒ نے سنت کی تعریف فرمائی :

اَلطَّرِیۡقَةُ الۡمَشۡرُوۡعَةُ الۡمُتَّبَعَةُ فِی الدِّیۡنِ وَالۡمَنۡهَجُ النَّبَوِیُّ الۡحَنِیۡفُ الشَّرِیۡفُ۔ (لمحات من تاریخ السنۃ ص 14)

’’پورے کے پورے دین کی شاہراہ کا نام ’’سنت‘‘ ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا وہی مبارک راستہ ہے ،جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔‘‘

’’وَقَدۡ یُطۡلَقُ السُّنَّةُ فِیۡ اِصۡطِلَاحِ الۡمُحَدِّثِیۡنَ عَلٰی مَا دَلَّ عَلَیۡهِ دَلِیۡلٌ شَرۡعِیٌّ، سَوَاءٌ کَانَ ذٰلِكَ فِی الۡکِتَابِ الۡعَزِیۡزِ اَوۡ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَوِ اجۡتَهَدَ فِیۡهِ الصَّحَابَةُ‘‘ (السنۃ ومکانتھا ص 48)

یعنی محدّثین کے ہاں سنت سے مراد ہر وہ عمل ہوتا ہے ،جس کا ثبوت کسی بھی شرعی دلیل سے موجود ہو ،خواہ قرآن مجید میں ہو یا نبی کریم ﷺ سے مروی ہو یا صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے اس میں اجتہاد کیا ہو۔

سنت کا مفہوم اور حضراتِ خلفائے راشدین کا اجتہاد (رائے) :

آپ ﷺ کا ارشاد ہے : ’’فَعَلَیۡکُمۡ بِسُنَّتِیۡ وَسُنَّةِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیۡنَ‘‘ (ترمذی 2/92)

یعنی تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضراتِ خلفائے راشدین کی سنت بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کو شامل ہے۔

(جاری ہے)

دنیا کا کوئی بھی مرد ہو' اس کا دُنیا کی کسی بھی عورت سے تین میں سے کسی ایک دائرے کا تعلق ضرور ہوتا ہے

1۔ صرف احترام　　2۔ صرف محبت　　3۔ محبت اور احترام دونوں

پہلی صورت صرف ''احترام'' کی ہوتی ہے' جس کے ساتھ اِتنی محبت بھی ہوتی ہے' جو اس احترام کی وجہ سے کسی کے لیے بھی کسی کے دِل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ احترام اُسے نظر جھکانے پر بھی مجبور کرتا ہے اور راستہ چھوڑنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اس موقع پر اگر نظر اُٹھ جائے تو اس میں ہوس کی تسکین اور سامنے والی کی توہین چھپی ہوتی ہے اور اگر جھک جائے اور راستہ چھوڑنے پر مجبور کر دے تو اس احترام سے معاشرے میں محبتوں کے سَوتے پھوٹتے ہیں'

اور یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ جتنی عزت نظر جھکانے والے عورت کو دیتے ہیں' نظر اُٹھانے والوں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا'

اگر یقین نہیں آتا تو بہکی نظر والوں کے وہ تبصرے کبھی سن کر دیکھ لیں جو وہ کسی عزت دار خاتون کے گزرنے کے بعد عام طور پر کرتے ہیں

اب تو اُلٹی گنگا بہتی ہے' مجنوں نظر آتی ہے' لیلیٰ نظر آتا ہے' دُنیا کو تو کیا سمجھانا؟! خود میری بہنوں کو ہی یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ اس کے حقیقی خیر خواہ نظر جھکا کر اُسے ''احترام'' کے مرتبے پر بٹھانے والے ہیں یا نظر اٹھا کر اُسے تگنی کا ناچ نچانے والے ہیں؟

دوسری صورت صرف محبت کی ہے' جس کے ساتھ اتنا احترام بھی ہو' جو اس محبت کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے'

اس محبت کی حق دار دُنیا میں صرف وہی خوش قسمت ہوتی ہے' جس نے سہاگ کا جوڑا پہنا ہو اور کوئی نہیں

اچھا لوگ سمجھتے ہیں کہ مشترکہ خاندانی نظام میں محبتیں بھی شاید مشترکہ ہو جاتی ہیں' جو خاندان کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں

میں یہ کہتی ہوں کہ محبت میں دوئی نہیں ہوتی' جب بھی محبت میں کوئی اور شریک ہو گا' وہاں دِل کی نبضیں ضرور ڈوبنے لگیں گی

میری ایک سہیلی ہیں' اُن کے گھر میں مشترکہ خاندانی نظام ہے' صرف انہی کے شوہر اپنی کزنوں سے نہیں ملتے' باقی سب ملتے ہیں'

ایک دن اُن کے گھر شادی کے موقع پر سارا خاندان آیا ہوا تھا' شادی ہو گئی' مہمان وقفے وقفے سے واپس جا رہے تھے'

ایسے ہی ایک موقع پر کزنوں کو رخصت کرنے کے لیے کئی مرد حضرات بھی اُن کے ہم راہ اسٹاپ تک گئے تو اُن کی بھاوج اُن سے کہنے لگیں:

تم بہت خوش قسمت ہو' تمہارے شوہر الگ کمرے میں چلے جاتے ہیں اور تم مطمئن ہو جاتی ہو' مگر ہمارا دِل تو آخر تک دھڑکتا رہتا ہے۔

تو سچی بات ہے کہ ''محبت'' نہیں' صرف ''احترام'' ہی وہ بنیاد بن سکتی ہے' جس سے مشترکہ خاندانی نظام بچ سکتا ہے'

ورنہ ہر جگہ برائی ہونا ضروری نہیں' صرف غلط فہمیاں ہی خاندان کو لے ڈوبتی ہیں۔

تیسری صورت میں محبت اور احترام دونوں ہوتے ہیں'

یہاں نظر اُٹھانی بھی ہوتی ہے اور جھکانی بھی۔ محفل سجانے کی بھی اجازت ہوتی ہے اور آدابِ محفل کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے'

اس میں کسی بھی مرد کی صرف ماں بہن اور بیٹیاں شامل ہوتی ہیں'

چاہے وہ اُس کی اپنی ہوں یا اُس کے ابو کی ہوں (اس میں حقیقی بہن کے علاوہ دادی اور پھوپھی بھی شامل ہو گئیں)

یا اُس کی امی کی ہوں (اس میں حقیقی بہن کے علاوہ نانی اور خالہ بھی شامل ہو گئیں) یا اُس کے بھائی کی ہوں (اس میں حقیقی ماں اور حقیقی بہن کے علاوہ بھتیجی بھی شامل ہو گئی)

اور یا اُس کی بہن کی ہوں' (اس میں حقیقی ماں اور حقیقی بہن کے علاوہ بھانجی بھی شامل ہو گئی)

گویا خون کے سارے رشتے ہی تو پرو دیے گئے ہیں اس لڑی میں۔ یہی وہ مقدس رشتے ہیں' جو ''محبت'' اور ''احترام'' دونوں کے حق دار ہیں۔

اس کے علاوہ دنیا کی جتنی خواتین ہیں' وہ نکاح کے ذریعے بھائیوں (چاہے وہ میرا اپنا بھائی ہو اور چاہے میرے باپ یا میری ماں کا بھائی ہو' یعنی چچا اور ماموں) کے گھر کی زینت تو بن سکتی ہیں اور مشترکہ خاندانی نظام میں نئے گھر کی دہلیز عبور کر کے اُس گھر کی عزت تو بن سکتی ہے'

لیکن اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد کے لیے ''احترام'' کے دائرے سے نکل کر دوسرے اور تیسرے دائرے کی حق دار قرار نہیں پا سکتیں۔

بہر حال قارئین! جہاں صرف ''محبت'' بنیاد ہے' وہاں خدا نے سارے پردے اُٹھا دیے اور جہاں صرف ''احترام'' ہے'

وہاں خدا نے سارے پردے لگا دیے اور جہاں ''محبت اور احترام'' دونوں ہیں' وہاں کچھ اُٹھا دیے اور کچھ باقی رکھے۔

میرے خیال میں جب ہم ان تینوں کو آپس میں گَڈمَڈ کر دیتے ہیں تو پھر وہی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو آج کی روشن خیال دُنیا نے کھڑے کر رکھے ہیں۔

میاں بیوی میں ایسی دوریاں ہو جاتی ہیں' جیسی ''احترام'' کے رشتوں میں ہونی چاہییں اور دِل محبتوں سے خالی ہو کر نفرتوں کی انگیٹھیاں بن جاتے ہیں۔

پرائی بیٹیوں کو جب پھول تھما دیے جاتے ہیں تو محبتوں کے رشتوں کا خون ہو جاتا ہے اور آنکھوں میں محبتوں کے صافی جام کے بجائے ہوس کا خمار نظر آنے لگتا ہے۔

جس دن ہمیں ''محبت'' اور ''احترام'' کے ان رشتوں کا فرق سمجھ میں آ جائے گا' اسی دِن ہمارے گھر میں ہماری اور باقی سب کے گھروں میں اُن کی خوشیاں لوٹ آئیں گی'

ورنہ کسی ایک کی معمولی سی غلطی سے صرف اس کا گھر ویران نہیں ہو گا' بل کہ کئی اور ذہن بھی کھنچے کھنچے رہنے لگیں گے

بقیہ

صبح کو والدہ جب کمرہ میں جاتیں اور مصلّے پر ہاتھ لگاتیں تو وہ آنسوؤں سے بھیگا ہوتا تھا۔ ضمرہ بن ربیعہؒ کہتے ہیں: ''150ھ میں ہم نے اوزاعیؒ کے ساتھ حج کا سفر کیا' میں نے نہیں دیکھا کہ وہ دن میں یا رات میں لیٹ کر سوئے ہوں' وہ نماز میں مشغول رہتے تھے' جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ سواری کے کجاوہ کی لکڑی سے ٹیک لگا کر آرام کر لیتے تھے۔ مستقل نماز میں مشغول رہنے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جب قافلہ رکتا تھا تو سواری سے اتر کر (حسبِ استطاعت) نماز پڑھتے اور دورانِ سفر سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی نوافل ادا فرماتے۔ نبی ﷺ نے خیبر کے سفر میں اسی طرح نوافل پڑھے تھے' جب کہ آپ کی سواری کا رخ قبلہ کی اُلٹی جانب تھا' لہٰذا ایسے موقع پر قبلے کی طرف رخ کرنا بھی ضروری نہیں' لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ دورانِ سفر خواہ گاڑی میں ہوں' ریل میں ہوں یا ہوائی جہاز میں' اس سنت کو اختیار کریں' جس طرح سفر کے لمبے اوقات کو کاٹنے کے لیے کھانے پینے اور جائز مزاح میں لگا جاتا ہے' (اور شرعی حدود میں رہ کر یہ سب جائز بھی ہے) کیا ہی اچھا ہو گا کہ کچھ وقت اہتمام کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے نوافل کے لیے بھی نکال لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر اور باقی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وفات: صفر 157ھ میں بیروت میں انتقال ہوا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: ''میں نے خواب دیکھا ہے کہ مغرب کی جانب سے ایک خوش بودار پھول (آسمان کی طرف) اٹھ گیا ہے۔'' حضرت سفیانؒ فرمانے لگے: ''اگر یہ خواب سچا ہے تو اَوزاعیؒ انتقال کر گئے ہیں!'' بعد میں خبر آئی کہ اسی دن انتقال ہوا تھا۔

سالمؒ کہتے ہیں: ''اَوزاعیؒ کی وفات کی خبر سن کر میں باہر نکلا تو سب سے پہلے میں نے ایک عیسائی کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا' اس وقت لوگوں کو اندازہ ہوا کہ ان سے غیر مسلم بھی عقیدت رکھتے تھے' چناں چہ ان کے جنازے میں ایک کنارہ پر یہودی بھی شریک تھے اور دوسرے کنارے پر عیسائی اور قبطی بھی حاضر تھے۔''

یزید کہتے ہیں: ''میں نے اوزاعی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: ''میں کس عمل سے اللہ کے قریب ہو سکتا ہوں؟''

فرمایا: ''میں نے علما سے اونچا درجہ کسی کا نہیں دیکھا! اس کے بعد (آخرت کے لیے) غمگین لوگوں کا درجہ تھا۔'' اگرچہ اب امام اَوزاعیؒ کا فقہی مسلک زیرِ عمل نہیں ہے' لیکن ان کے پاکیزہ حالات اور قیمتی اقوال ہمارے سامنے ہیں' جو کہ ہماری نسلوں کے لیے بجا طور پر مشعلِ راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے طرزِ عمل کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

محمد حذیفہ رفیق

امام اوزاعیؒ اپنے وقت کے امام تھے۔ غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ چکا تھا۔ اپنی والدہ کی کفالت میں رہتے تھے۔ عباس بن ولیدؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: ''میں نے آج تک ان سے کوئی فضول بات نہیں سنی' ان کا ہر بول ایسا ہوتا' جس کو سننے والا اپنی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ میں نے کبھی ان کو قہقہہ لگا کر (کھلکھلا کر) ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب وہ آخرت کا تذکرہ فرماتے تو میں اپنے دل میں کہتا تھا: کیا اس مجلس میں کوئی ایسا دل ہو گا جو نہ روئے...؟؟''

نام و نسب: عبد الرحمٰن بن عَمرو' ابو عَمرو اَوزاعی۔ آبائی علاقہ سندھ کی کوئی بستی تھی' وہاں سے غلام بنا کر لائے گئے تھے اور ایک قول کے مطابق: بعلبک (جو کہ دمشق کے قریب ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئے' وہاں سے اپنی والدہ کے ساتھ دمشق کی ایک بستی اَوزاع میں منتقل ہو گئے۔ ''اوزاع'' مختلف گرہوں اور جماعتوں کو کہتے ہیں' وہاں مختلف علاقوں کے لوگ آکر آباد ہوئے تھے۔ اسی کی نسبت سے ان کو اَوزاعی کہا گیا' وہاں سے والدہ ان کو بیروت لے آئیں' پھر وفات تک یہیں قیام رہا۔

علمی مقام: جن حضرات نے ان سے احادیث سنی ہیں' ان میں سفیان ثوریؒ' امام مالکؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ جیسے لوگ شامل ہیں۔ علمی دنیا میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ اسماعیل بن عیاش فرماتے ہیں: ''میں 140ھ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ ''آج امت کے عالِم اَوزاعیؒ ہیں۔'' امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: ''اَوزاعیؒ قابلِ اقتدا امام ہیں۔'' ایک محدِّث ابو اسحاق فزاریؒ فرمانے لگے: ''اَوزاعیؒ کی تو شان ہی عجیب تھی' ان سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو بالکل وہ جواب دیتے جو حدیث میں ہے۔ ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔'' آپؒ نے ستّر ہزار جوابات دیے ہیں' جو کہ مختلف مواقع پر پوچھے گئے۔ جس طرح آج دنیا میں چار ائمہ امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مکاتبِ فکر موجود ہیں اور ساری اسلامی دنیا ان کی علمی تحقیق کی روشنی میں دین پر عمل پیرا ہے' اِسی طرح امام اوزاعیؒ بھی مسائل کے محقّق اور ایک پختہ فقہی مسلک کے موجِد اور امام تھے۔ ان کے مسلک پر لمبے عرصے تک اسپین اور شام میں عمل ہوتا رہا۔ اسپین میں 220ھ تک اور شام میں 340ھ تک یہ مسلک عروج پر رہا۔ قاضی ابو الحسن دمشق کی جامع مسجد میں حلقہ لگاتے تھے' جس میں اَوزاعی کی فقہ کا درس دیتے تھے۔ علمِ دین کے متعلق فرماتے تھے: ''یہ علم بہت مقدّس تھا۔ طلبا اپنے اساتذہ سے (سینہ بہ سینہ) علم حاصل کرتے تھے' لیکن جب کتابوں میں آگیا تو اس میں نا اہل بھی داخل ہو گئے۔''

عمل سے زندگی بنتی ہے: صرف امام اَوزاعیؒ ہی نہیں' بل کہ اسلاف کی موتیوں کی لڑی میں ہر گوہر ہی ایسا ملتا ہے' جس کی زندگی میں قول سے زیادہ عمل کی دعوت تھی۔ امام اَوزاعیؒ ہی فرمایا کرتے تھے: ''مومن کی باتیں کم ہوتی ہیں' عمل زیادہ ہوتا ہے اور منافق کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں' عمل کم ہوتا ہے۔'' اور فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو برائی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ان کو آپس کی لڑائیوں میں الجھا دیتے ہیں اور عمل سے روک دیتے ہیں۔'' اور فرماتے تھے: ''جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے' اس کو تھوڑا بھی کافی ہو جاتا ہے اور جو یہ سمجھ لے کہ اس کی بول چال اس کے عمل میں سے ہے اور اس کا حساب بھی ہو گا تو اس کی باتیں کم ہو جائیں۔''

ذوقِ عبادت: سارے ہی اسلاف اور بڑوں کے حالات میں عبادت کا وافر حصہ نظر آتا ہے۔ امام اوزاعیؒ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ولید فرماتے ہیں: ''ہم نے نہیں سنا کہ اَوزاعیؒ جیسی عبادت کوئی کر سکا ہو' کوئی دن ان پر ایسا نہیں آیا کہ زوال (سے کچھ پہلے) کا وقت ہوا ہو اور وہ نماز میں مشغول نہ ہوں۔'' ان کا قول مشہور ہے: ''جو راتوں کو لمبا کھڑا ہو گا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے روزِ محشر کا کھڑا ہونا آسان فرما دیں گے۔'' آپ کا معمول تھا کہ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے اور اپنے اسلاف (یعنی تابعینؒ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بارے میں بتاتے تھے کہ ''ان کا یہی طرزِ عمل تھا کہ یہ لوگ طلوعِ آفتاب کے بعد آپس میں ملتے تھے اور اللہ کے ذکر میں اور علمِ دین اور فقہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔'' ابو مسہرؒ فرماتے تھے: ''اَوزاعیؒ کو نہ کبھی روتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ کبھی ایسے ہنستے ہوئے دیکھا گیا کہ ان کے دانت ظاہر ہوں' بل کہ صرف مسکرایا کرتے تھے۔''

ان کی راتیں نماز' قرآن اور آہ و زاری (یعنی اللہ کے آگے رونے) سے معمور ہوتی تھیں۔ صبح کو والدہ جب کمرہ میں جاتیں (بقیہ ص 13 پر)

تعارف

چقندر کو عربی میں البنجر اور انگریزی میں Beets کہتے ہیں۔ چقندر کا نباتاتی نام BetavulgarisVarrapa ہے۔ چقندر ایک ایسی سرخ سبزی ہے' جسے جس برتن میں پکایا جائے تو بالکل سرخ ہو جاتا ہے اور اگر کھایا جائے تو منہ بھی سرخ ہو جاتا ہے اور زبان بھی۔ یہی وجہ ہے کہ چقندر کی سبزی عام لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اترتی' کیوں کہ انھیں لال منہ اور لال زبان پسند نہیں آتی' لیکن محض سرخی کی وجہ سے چقندر کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔

فوائد: چقندر فوائد سے مالامال سبزی ہے۔

1۔ چقندر میں حیاتین ب اور ج کے علاوہ کیلشیم' فاسفورس اور فولاد ہونے کی وجہ سے یہ مغربی ممالک میں بھی مقبول ہے۔
2۔ آئرلینڈ کے علاقے میں چقندر کے پتوں سے لذیذ کھانا بنایا جاتا ہے۔ پتوں کے ڈنٹھل بھی ضائع نہیں کیے جاتے' بل کہ ان کو کاٹ کر ساگ اور بھجیاں کی طرح پکاتے ہیں۔
3۔ یورپ میں چقندر سے چینی بنائی جاتی ہے۔ اس میں شکر' حیاتین ب اور وٹامن بی اور ڈی کی اچھی مقدار ہوتی ہے۔
4۔ چقندر کو سرطان جیسے موذی مرض اور جوڑوں کے درد کے خاتمے میں مفید قرار دیا ہے۔

5۔ پتّے اور جگر کی بیماریوں کو دور کرنے میں چقندر اور کھیرے کا رس بہت مفید ہے۔
6۔ معدے میں گیس زیادہ بنے تو اس کے سالن میں پسا ہوا سیاہ زیرہ اچھی طرح چھڑک کر کھانے سے معدہ صحیح ہو جاتا ہے' بھوک لگتی ہے اور گیس نہیں بنتی۔

چقندر اور جو کا پکوان

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر ایک خاتون چقندر اور جو سے بنا ہوا کھانا ہریسہ کی مانند گھوٹ کر ہر جمعہ کو لے آتیں۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر لوگ ان کو سلام کر کے چقندر اور جو کا پکوان لے کر کھاتے۔ (بخاری' مسلم)

چقندر کا رس... جان کی حفاظت

چقندر کا رس اس حد تک مفید ہے کہ یہ آپ کی جان بھی بچا سکتا ہے' کیوں کہ اس سرخ اور چمک دار جوس میں قدرتی کیمیکل نائیٹریٹ شامل ہوتا ہے' جو بلڈپریشر کو کم کرتا ہے' جس سے دل کی بیماریوں اور اسٹروکس کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔

موازنہ... چقندر کی جیت

لندن کی کوئن میری یونیورسٹی کے ولیم ہاروے ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے ماہرین نے کچھ ایسے مریضوں کا مشاہدہ کیا' جنھیں ایک دن میں 250 ملی لٹر چقندر کا جوس دیا گیا

تھا۔ ان کا موازنہ ان مریضوں کے ساتھ کیا' جنھوں نے نائیٹریٹ کی گولیاں استعمال کی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ بلڈپریشر کم کرنے میں دونوں طریقے یکساں طور پر کامیاب پائے گئے۔ انھوں نے اپنی ریسرچ کا یہ نتیجہ نکالا کہ چقندر میں نائیٹریٹ قدرتی طور پر پائی جاتی ہے' اس لیے یہ اسی کے مفید اثرات کا نتیجہ تھا۔ یہ (نائیٹریٹ) ایک گیس تیار کرتی ہے' جسے نائٹرک آکسائیڈ کہا جاتا ہے' جو خون گردش کرنے والی نسوں اور شریانوں کو کشادہ کرتی ہے' اس سے بلڈپریشر کم ہو جاتا ہے۔

صحت کے لیے بے حد مفید

ماہرین کے مطابق صحت مند نوجوان ہفتے میں ایک بار چقندر کے رس کا ایک گلاس پینے سے اس قابل ہو گئے کہ ان کی قوتِ برداشت 16 فیصد تک بڑھ گئی۔ چقندر کا رس یوں تو بازار میں بھی دستیاب ہوتا ہے' لیکن اگر تازہ چقندر لے کر گھر پر اس کا رس جوسر میں نکالا جائے تو یہ زیادہ اچھا ثابت ہوتا ہے' کیوں کہ یہ انسانی صحت کے لیے بہت مفید ہے' لیکن اس میں مضرِ صحت اثر بھی ہے' اس رس کی زیادہ مقدار پینے والوں کو گلابی رنگ کا پیشاب آتا ہے' جسے سائنسدانوں کی زبان میں Beeturia کہتے ہیں۔

چقندر کا ذائقہ

چقندر کے پتے کبھی ضائع نہ کریں۔ انھیں ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پتے تازہ ہونے چاہئیں' تاکہ ان کا ذائقہ بہتر رہے اور طبّی افادیت بھی ضائع نہ ہو۔ گردے کے درد میں مبتلا مریض' بواسیر اور جوڑوں کے درد والے افراد چقندر کو گوشت یا قیمے میں یا سادی سبزی کے طور پر غذا میں شامل کریں تو اس کا دوا کی طرح اثر ہوتا ہے۔ قدیم اطبا چقندر کے رس کو پسند کرتے تھے' اب حالیہ تحقیق میں بھی اسے دوسرے رسوں سے بہتر رس قرار دیا گیا ہے۔ اس کے رس میں پائے جانے والے نشاستے بہت جلدی ہضم ہوتے ہیں۔

چقندر قوتِ مدافعت کے لیے انتہائی مفید

چقندر خون کی کمی کے مریضوں کے لیے ایک صحت بخش ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں موجود فولاد کی مقدار خون کے سُرخ ذرات میں نمایاں اضافہ کرتی ہے۔ جرمنی کے ماہرین کی رائے ہے کہ سرخ چقندر کا رس نہ صرف قوتِ مدافعت کے لیے مفید ہے' بل کہ بچوں خصوصاً عالمِ شباب میں داخل ہونے والے بچے بچیوں کے لیے دوسری ادویہ اور ٹانک کے مقابلے میں محفوظ اور موثر ثابت ہوا ہے۔ جہاں دوسرے علاج کارگر ثابت نہیں ہوتے' وہاں چقندر مفید ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے جسم میں ایسے مادّے جمع ہو جاتے ہیں جو صحت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ کیلشیم کو تحلیل کرنے میں چقندر کا رس انتہائی موثر ثابت ہوا ہے۔ پھولی ہوئی وریدوں' ہائی بلڈپریشر اور شریانوں کی بندش میں تو چقندر کا رس دوا اور غذا کا کام کرتا ہے۔

چقندر کا جوشاندہ

قبض کی پرانی شکایت میں طبیب چقندر کا جوشاندہ گلاس بھر کے پلاتے تھے۔ اس سے بواسیر اور قبض میں آرام آتا تھا۔ ایران میں آج بھی چقندر کا گرم رس شوق سے پیا جاتا ہے۔ فرانس کے معالج اپنے مریضوں کو ایک کلو چقندر کھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ایک درمیانہ چقندر مع پتوں کے دھو کر کاٹ کر دو کپ پانی میں ابال لیے۔ ایک پیالی پانی چھان کر پینے سے قبض بھی دور ہو جاتی ہے اور بواسیر کی شدّت میں کمی آتی ہے۔

اب بالوں کی خشکی دور

بالوں کے مسائل آج کل بڑھتے جا رہے ہیں۔ چقندر بالوں کی بڑھوتری' خشکی اور جوؤں کو ختم کرنے کے لیے بھی مفید ہے۔ صرف ایک چقندر چھلکوں سمیت دھو کر مع پتوں کے کاٹ کر تھوڑے پانی میں ابال لیے۔ جب اچھی طرح گل جائے تو سر پر یہ پانی ڈال کر ملیے۔ آدھے گھنٹے بعد سر دھوئیے۔ ہفتے میں دو بار سر دھونے سے خشکی دور ہو جائے گی۔ جوؤں کے خاتمے کے لیے روزانہ چقندر کے پانی سے اسی طرح ابال کر دھوئیے۔

چقندر کا تیل...... بال گھنے اور سیاہ

چقندر کا تیل گھر میں خود بنائیے۔ دو چقندر لیں اور ان کے گول قتلے کاٹ لیں۔ پتّے بھی کاٹ لیں' ایک کلو سرسوں کا تیل گرم کر کے اس میں ایک دو قتلے ڈال کر جلائیے۔ جب جل جائیں تو دوسرے قتلے ڈالیے آخر میں پتّے ڈال کر چولہا بند کر دیجیے۔ پتّے بھی سیاہ ہو جائیں گے۔ ٹھنڈا ہونے پر تیل چھان کر رکھ لیجیے۔ یہ تیل بالوں کی سیاہی کی مضبوطی' خشکی اور بال گھنے کرنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ سر پر صرف چقندر کا رس نکال کر لگانے اور آدھے گھنٹے بعد سر دھونے سے بھی بال گھنے اور سیاہ ہو جاتے ہیں۔

احتیاطیں

1۔ چقندر کا رس تیار کرتے وقت صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔
2۔ تازہ پکے ہوئے پھل اور سبزیاں لینی چاہئیں۔ پھل اور سبزیاں قدرتی طریقے سے پکی ہونی چاہئیں۔
3۔ پھل اور سبزیوں کا رس بنا کر اسی وقت پی لینا چاہیے' ذرا سی دیر کے لیے بھی نہیں رکھنا چاہیے۔
4۔ ہیپاٹائٹس' یرقان' اسہال اور پیچش میں تھوڑے سے چقندر کے رس میں ایک چمچہ لیموں کا رس ملا دیا جاتا ہے۔ یہ رس دن میں صرف ایک بار ہی معالج تجویز کرتے ہیں

کریڈٹ کارڈ کے غلام

شیخ جابر

قرض پرانے وقتوں میں بھی دیا جاتا تھا اور آج بھی دیا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے قرض عموماً اسے دیا جاتا تھا، جس سے واپسی کی امید ہوتی تھی۔ موجودہ سرمایہ دارانہ سودی نظام میں بینک ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے افراد کو قرض اور کریڈٹ کارڈز دیتا ہے، جو رقم وقت پر واپس نہ کر سکیں۔ آج بینک کی دلچسپی اصل زر کے بجائے کم از کم 2 فیصد ماہانہ ادا کی جانے والی رقم سے ہے۔

نو آبادیاتی دور میں ''Endentured servents'' ہوا کرتے تھے۔ یہ وہ ''معاشی غلام'' تھے، جنھیں قرضِ نادہندگی کی پاداش میں برطانوی عدالت ایک خاص مدت تک غلامی میں دے دیا کرتی تھی۔ قرض کی رقم کے مساوی انھیں فروخت بھی کر دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی یہ تجارت تو ایک عرصے تک برطانوی نو آبادیات کا خاصہ رہا۔

یہ معاشی غلامی بھیس بدل کر ایک خاص شکل میں آج بھی جاری ہے۔ یہ ہی غلام کریڈٹ کارڈز کے مقروض ہیں، جو اپنی حرص پر قابو پانے میں ناکامی کے بعد کریڈٹ کارڈز کے ذریعے خود کو معاشی غلامی کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں، نہ ان کی حرص و ہوس ختم ہوتی ہے نہ کارڈز کی ''ری پیمنٹ'' کا چکر۔ وہ ساری زندگی کماتے رہتے ہیں اور خون پسینے کی کمائی سے منافع خور بینکوں کی نفع اندوزی میں اضافے کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

یہ حقیقت بہت عرصے بعد کہیں جا کر منکشف ہوتی ہے کہ کریڈٹ کارڈز کے ذریعے آپ کی آمدنی میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوا، البتہ قوتِ خرید مصنوعی طور پر بڑھ گئی۔ اب آپ اشتہاری ترغیبات کے جھانسے میں آکر وہ رقم خرچ کر بیٹھتے ہیں، جو نہ تو آپ کی ہے اور نہ جس کی واپسی کی آپ میں استطاعت ہے۔ دوسری جانب مالیاتی ادارے کارڈ ایگریمنٹ سائن کرنے والے ہر فرد کو دو دھاری تلوار سے ذبح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک تو ان کا انٹرسٹ ریٹ بہت زیادہ ہے، دوسرے کارڈ پر بہانے بہانے سے چارجز لیے جاتے ہیں۔ ان چارجز کے سلسلے میں یہاں وہ مثال پیش کی جاتی ہے، جو امریکا کے ''نیشنل کنزیومر لا سینٹر'' کے ''ایلس کوہن'' نے سینیٹ کی تحقیقاتی سب کمیٹی کو پیش کی۔ یہ کہانی تھی ایک بحری فوج کے سیلر کی جس نے ''فرسٹ پریمیئر بینک'' سے کریڈٹ کارڈ لیا۔ یہ 21 نومبر کی تاریخ تھی۔ اسے 250 ڈالر کی کریڈٹ لمٹ دی گئی۔ عین اس دن اس کے کارڈ سے بینک نے دو کٹوتیاں کیں۔ 95 ڈالر پروگرام فیس اور 29 ڈالر اکاؤنٹ شرکت فیس کے نام پر منہا کر لیے گئے۔ تین دن بعد اس کے اکاؤنٹ سے سالانہ فیس 48 ڈالر منہا کی گئی اور 24 نومبر ہی کو اس کے ماہانہ بل کا اجرا کیا گیا۔ یوں نیوی کا وہ نوجوان سیلر بغیر کچھ رقم خرچ کیے اور خریداری کیے صرف 4 دنوں میں بینک کا 178 ڈالر کا مقروض ہو چکا تھا۔ بینکوں، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور کارپوریشنز کا یہ طریقۂ واردات پرانا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ آپ کی جیب سے بہت تھوڑی تھوری رقم بہانے بہانے سے چراتے ہیں۔ اکثر اوقات آپ کو اس جیب تراش کا علم بھی نہیں ہو پاتا، لیکن بینک یا وسیع ''کنزیومر بیس'' ہونے کی وجہ سے بہت سا منافع سمیٹ رہے ہوتے ہیں۔

ایک شخص اگر 25000 کی رقم کریڈٹ کارڈ سے خرچ کر بیٹھتا ہے تو ذرا اندازہ لگائیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا، چوں کہ اس کی آمدنی کے ذرائع محدود ہیں، افراطِ زر اور مہنگائی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں رقم کی یک مشت واپسی مشکل ہے۔ ادھر بینک بھی کہتا ہے کہ آپ تھوڑی تھوڑی رقم ادا کیے جائیں۔ یہ رقم 2 فیصد ماہانہ ہے۔ یعنی آپ ہر ماہ 500 روپے ادا کرتے جائیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق 22 فیصد شرح سود سے آپ کو 25000 روپے لوٹانے میں 11 برس اور 4 ماہ کا طویل عرصہ درکار ہوگا۔ یہ ہی نہیں بل کہ آپ سود کی مد میں بینک کو 4338414 روپے بھی ادا کر چکے ہوں گے۔ دوسری جانب ایک فرد اگر ہر ماہ 500 روپے بینک اکاؤنٹ میں ہی جمع کرتا رہے تو 8 فیصد شرح سود سے 11 برس بعد اس کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ چار ہزار سے زائد رقم ہوگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں کریڈٹ کارڈز کے استعمال میں کمی آئی ہے۔ اب سے چند برس پیشتر یہ تصور محال تھا کہ امریکی خریدار کریڈٹ کارڈز کے بجائے نقد رقوم کی ادائیگی کرنے لگیں گے۔ امریکن ریسرچ گروپ کے مطابق کریڈٹ کارڈ کے حاملین کی تعداد 2008ء کے 71 فیصد سے کم ہو کر 2010ء میں 67 فیصد ہو گئی۔ گذشتہ ایک برس میں 8 ملین سے زائد امریکیوں نے کریڈٹ کارڈ کا استعمال ترک کر دیا ہے۔ امریکہ کی ایک اور کریڈٹ رپورٹنگ ایجنسی TRANSUNION کا کہنا ہے کہ عام استعمال کے ویزا، ماسٹر اور امریکن ایکسپریس کارڈز کا استعمال 11 فیصد تک کم ہوا ہے۔ شدید اشتہاری ترغیبات کے باوجود کریڈٹ کارڈ کے کاروبار میں کمی آنا شروع ہو گئی ہے۔ جنوری 2010ء سے جنوری 2011ء کے عرصے میں ''کریڈٹ اسٹاک'' 67 بلین روپے سے کم ہو کر 55 بلین روپے پر آ گیا ہے۔

یہ ہی وقت ہے سود در سود کے اس منحوس چکر سے نجات حاصل کرنے کا۔ ''پلاسٹک منی'' کے استعمال کو ہمیشہ کے لیے تج دینے کا۔ سود جسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے، اگر 8 ملین امریکی اس غلامی کو سمجھ سکتے ہیں تو ہماری سمجھ میں یہ بات اور بھی پہلے آنی چاہیے۔ حرص و ہوس کی معاشرتی روش ترک کر دیجیے۔ جان لیجیے کہ ...

A Good Muslim is a Bad Consumer and a Bad Consumer is a Good Muslim

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

خاتم الانبیاء ﷺ کی شادیوں پر شبہات کی وضاحت

سوال: ہمارے ایک دوست ہیں' وہ اکثر دین کی باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اکثر وبیشتر وہ نبی اکرم ﷺ کی شادی کے مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں اس بات پر حیران ہوں کہ اتنی شدید مصروفیات' جہاد اور تبلیغِ دین کے باوجود ان کے پاس اتنا وقت کیسے تھا کہ وہ اتنی شادیاں کرتے اور عورتوں کے حقوق ادا کر سکتے تھے! ان کے تبصرے کا میں کیا جواب دوں؟ وضاحت فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ یورپ کے مستشرقین نے اپنے تعصب' نادانی اور جہلِ مرکب کی وجہ سے اسلام کے جن مسائل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے' ان میں ایک اللہ کے حبیب ﷺ کے تعدّدِ ازاواج کا مسئلہ بھی ہے' جس پر انھوں نے خاصی زہر چکانی کی ہے۔ ہمارا جدید طبقہ مستشرقین سے مرعوب اور احساسِ کمتری کا شکار ہے' وہ ایسے تمام مسائل میں (جن پر مستشرقین کو اعتراض ہے) ندامت و معذرت کا انداز اختیار کرتا ہے' اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مغرب کے سامنے سرخ رو ہونے کے لیے ان حقائق کا ہی انکار کر دیا جائے' چناں چہ وہ عقلی شبہات کے ذریعہ ان حقائق کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کے دوست کی گفتگو بھی اسی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے' وہ بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں یہ پوچھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا کرتے تھے؟ لیکن سوال کا منشا اصل واقعے پر اعتراض ہے۔

بہر حال آپ کے دوست اگر چند اصولی باتیں ذہن میں رکھیں تو امید ہے ان کے خدشات زائل ہو جائیں گے:

1 سب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ دین کے مسائل کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا موضوع بنانا نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ آدمی کو شدت کے ساتھ ان سے پرہیز کرنا چاہیے' خصوصاً نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی (جو اہلِ ایمان کا مرجعِ عقیدت ہی نہیں' مدارِ ایمان بھی ہے) آپ ﷺ کے بارے میں لب کشائی تو کسی مسلمان کے لیے کسی طرح بھی روا نہیں۔ قرآن کریم میں ان منافقوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اپنی نجی محفلوں میں رسولِ اقدس ﷺ کو' قرآن کریم کی آیاتِ شریفہ کو طنز و مذاق کا نشانہ بناتے تھے' جب ان سے بازپرس کی جاتی تو کہہ دیتے: اجی! ہم تو بس یونہی دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کے اس "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کے جواب میں ارشاد ہے: "کیا تم اللہ تعالیٰ سے' اس کی آیات سے اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ بہانہ نہ بناؤ' تم نے دعوئ ایمان کے بعد کفر کیا ہے!" (التوبہ: 66'65)

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کو اور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ عالی کو دل لگی اور خوش طبعی کا موضوع بنانا کتنا خطرناک ہے' جسے قرآن کریم کفر قرار دیتا ہے! اس لیے ہر مسلمان سے' جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو' میری درخواست ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول و فعل کو اپنے ظریفانہ تبصروں کو موضوع بنانے سے مکمل پرہیز کریں' ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی غیر محتاط لفظ زبان سے نکل جائے اور متاعِ ایمان برباد ہو کر رہ جائے' نعوذ باللہ من ذلک!

2: ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ بہت سے لوگ نبی کریم ﷺ کی بلند و بالا ہستی کو اپنی سطح پر غور و فکر کرتے ہیں اور جب نبی کریم ﷺ کی کوئی بات اپنی ذہنی سطح سے اونچی دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا' حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور جن کمالات و خصوصیات سے آپ ﷺ کو نوازا ہے' وہ ہمارے فہم و ادراک کی حد سے ماورا ہے' وہاں تک کسی جن و ملک کی رسائی ہے' نہ کسی نبیٔ مرسل کی' جہاں جبریل امین کے پَر جلتے ہوں' وہاں ماوشما کی عقلی تگ و دو کی کیا مجال ہے! آپ کے دوست بھی اسی بنیادی غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ہر ادا اپنے اندر اعجاز کا پہلو رکھتی ہے' نبی کریم ﷺ نے ایک مختصر سے قلیل عرصے میں بتوفیقِ خداوندی انسانی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کیا اور امت کو روحانی و مادی کمالات کی جس اوجِ ثریا پر پہنچا دیا' کیا ساری امت مل کر بھی اس کارنامے کو انجام دے سکتی ہے؟ نبی کریم ﷺ کی کون سی بات ایسی ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز اعجاز نہیں رکھتی' ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں: "آپ ﷺ کا کون سا معاملہ عجیب نہیں تھا!"

3: آپ کے دوست کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محض عقلی احتمالات یا حیرت و تعجب کے اظہار سے کسی حقیقت یا واقعے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً: ایک شخص سر کی آنکھوں سے سورج نکلا ہوا دیکھ رہا ہے' اس کے برعکس ایک نابینا محض عقلی احتمالات کے ذریعہ اس کھلی حقیقت کا انکار اور اس پر حیرت و تعجب کر رہا ہے۔ اہلِ عقل اس نابینا کی عقل و فہم کی داد نہیں دیں گے' بل کہ اسے اندھا ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی اور ہٹ دھرم بھی قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھیے کہ نبی کریم ﷺ کا ازواج مطہرات کے حقوق نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ادا کرنا ایک حقیقتِ واقعیہ ہے' چناں چہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت آپ کے یہاں نو بیویاں تھیں' ان میں آٹھ کے یہاں باری باری شب باشی فرماتے تھے (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے رکھی تھی' اس لیے ان کے یہاں شب باشی نہیں فرماتے تھے) (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ازواج کے حقوق ادا فرماتے تھے اور پھر یہ دعا کرتے تھے: "یا اللہ! جو بات میرے اختیار میں ہے' اس میں تو پورا عدل و انصاف سے برتاؤ کرتا ہوں اور جو چیز آپ کے اختیار میں ہے' میرے اختیار میں نہیں (یعنی کسی بی بی کی طرف دل کا زیادہ میلان) اس میں مجھے ملامت نہ کیجیے! (ترمذی' ابوداؤد) اس قسم کی بہت سی احادیث صحابہ کرام اور خود امہات المؤمنین رضوان اللہ علیھن سے مروی ہیں' گویا یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ صرف ازواج مطہرات کے حقوق ادا فرماتے تھے' بل کہ اس میں آپ نے عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کر کے دکھایا' خود ارشاد فرماتے تھے: "تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں!" اب اس ثابت شدہ حقیقت پر حیرت و تعجب کا اظہار کرنا اور اس سے انکار کی کوشش کرنا اس پر وہی نابینا کی مثال صادق آتی ہے جو آنکھیں بند کر کے محض عقلی احتمالات کے ذریعہ طلوعِ آفتاب کی نفی کی کوشش کر رہا ہے۔

4: اور اگر آپ کے دوست کو اس بات کا شبہ ہے کہ امت کے لیے چار تک شادیوں کی اجازت ہے تو نبی کریم ﷺ کے لیے چار سے زائد شادیاں کیسے جائز تھیں؟ تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے خصوصی احکام دیے تھے' جن کو اہلِ علم کی اصطلاح میں "خصائصِ نبوی" کہا جاتا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے "الخصائص الکبریٰ" میں' حافظ ابو نعیمؒ نے "دلائل النبوۃ" میں اور علّامہ قسطلانیؒ نے "مواہبِ لدنیہ" میں ان "خصائص" کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

نکاح کے معاملے میں بھی نبی کریم ﷺ کی متعدد خصوصیات تھیں جن کو سورۂ احزاب کے چھٹے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے چار سے زائد شادیوں کی اجازت تھی۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "خصائصِ کبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ شریعت میں غلام کو دو شادیوں اور آزاد کو چار شادیوں کی اجازت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کو عام افرادِ امت سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت نہ ہوتی؟ متعدد انبیائے کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کی چار سے زیادہ شادیاں تھیں' چناں چہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سو بیویاں تھیں۔ بعض روایات میں کم و بیش تعداد آئی ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابنِ حجرؒ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہوں گے' اس لیے نبی کریم ﷺ کا نو (9) ازواجِ مطہرات کے حقوق ادا کرنا ذرا بھی محلِ تعجب نہیں!

5: نبی کریم ﷺ کی خصوصیات کے بارے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی' اور ہر جنتی کو دنیا کے سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔ اس حساب سے نبی کریم ﷺ میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی۔

جب امت کے ہر عام و خاص آدمی کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو نبی کریم ﷺ کے لیے جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ودیعت کی گئی تھی' کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہیے تھی!!!

6: اس مسئلہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنا چاہیے: ایک داعی اپنی دعوت مردوں کے حلقے میں بلا تکلف پھیلا سکتا ہے' لیکن خواتین کے حلقے میں براہِ راست دعوت نہیں پھیلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر شخص کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے' جو جدید اصطلاح میں اس کی "پرائیویٹ سیکرٹری" کا کام دے سکیں اور خواتین کے حلقے میں اس کی دعوت کو پھیلا سکیں۔ جب ایک امتی (بقیہ ص 30 پر)

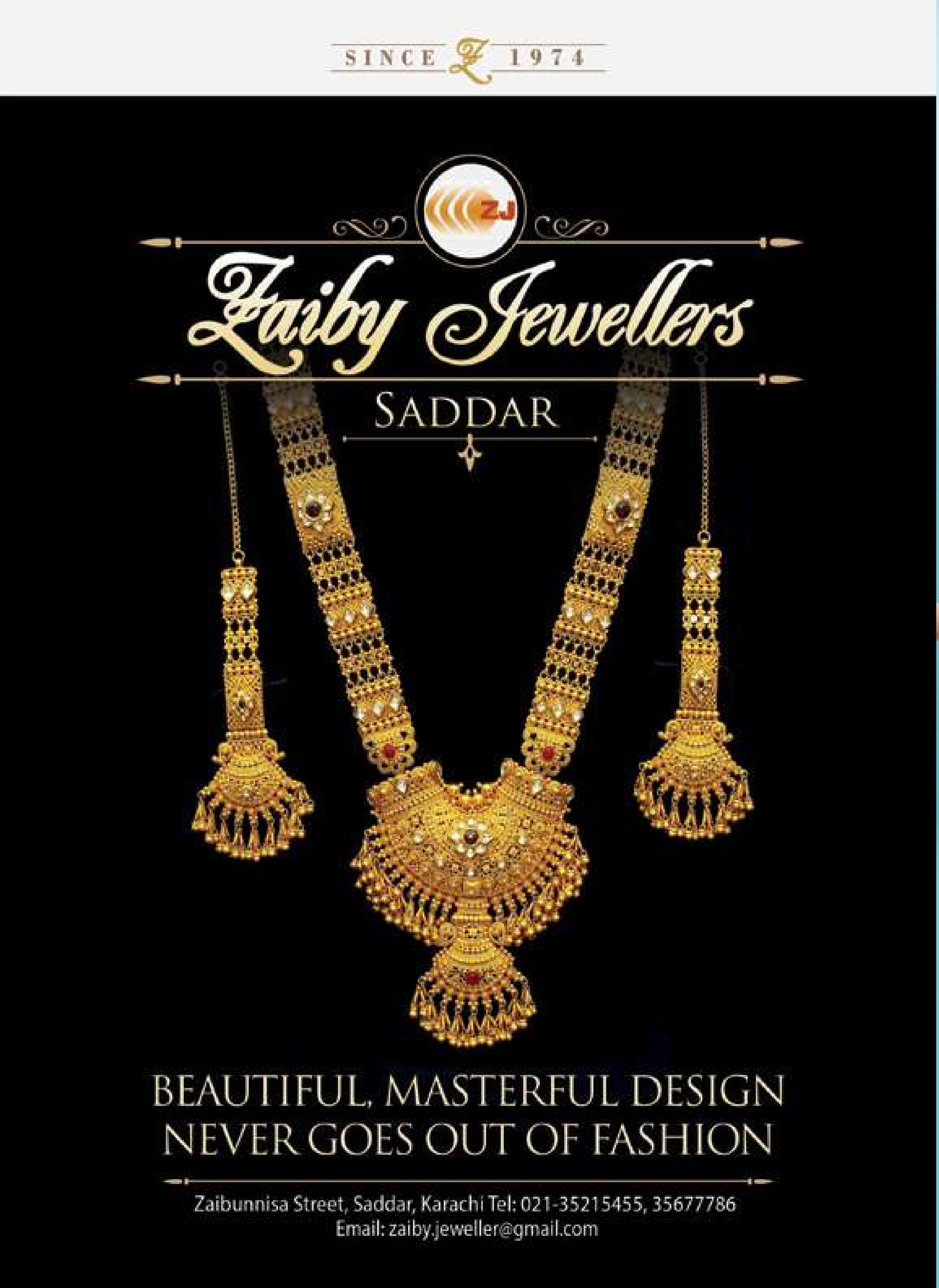

حیا وہ کلیہ ہے جو مومن کی شان ہے اور انسانوں کے معاشرے میں گناہوں کے تعفّن اور رذیل نفسانی عیاشیوں کی روک ٹوک کا ضامن ہے۔
حیا یہ نہیں کہ بندہ دوسروں سے شرمائے‘ یہ بھی نہیں کہ اپنے آپ سے شرمائے‘ حیا یہ ہے کہ بندے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے شرم آئے‘ ان سے حیا آئے‘
سوچے کہ اللہ دیکھ رہا ہے‘ اس نے اتنی نعمتیں دیں‘ اتنے مواقع دیے‘ اتنے احسانات کیے‘ کوئی غلط کام کروں گا تو روزِ حشر کیا منہ دکھاؤں گا۔
اللہ کے واسطے اور اس کی عنایتوں کے بدلے اس کی نظر غلط کام سے رک جائے‘ صحیح کام کرے‘ برائی سے باز رہے۔
یہ وہ حیا پر مبنی ماڈل ہے جو مسلمانوں کی اخلاقیات کی بنیاد رہا اور جسے آج مسلمانوں نے ہی بھلا دیا ہے۔
ہر اُمت کی ایک خصوصیت رہی ہے‘ طرز امتیاز رہا ہے‘ مسلمانوں کی نشانی حیا ہے‘ بھلا مومن بھی بے حیا ہو سکتا ہے؟
مومن اور درخت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا‘ درخت کو جہاں لگا دو‘ وہیں سایہ کرنے لگتا ہے‘ معاشرے سے زہر (کاربن ڈائی آکسائیڈ) پی کر زندگی (آکسیجن) لوٹاتا ہے۔
مومن بھی ایسا ہی ہوتا ہے‘ جہاں بٹھا دو‘ وہیں اللہ کے ذکر کا حِصار قائم کرلیتا ہے‘ لوگ اس کے پاس آکر بیٹھتے ہیں اور شفا پاتے ہیں‘
مومن بھی معاشرے کا زہر (حسد‘ جھوٹ‘ ظلم‘ انتقام‘ غیبت‘ بہتان) پی کر جوان ہوتا ہے

حیا

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

اور زندگی بھر دعا کی صورت میں معاشرے کو اُمید‘ اُمنگ اور خوش خبری کی نوید دیتا رہتا ہے۔
دعا مومن کی چھاؤں ہے‘ جو بیٹھ جائے اسے میسّر ہو‘ چاہے وہ دوست ہو یا دشمن۔
مومن کا تو کام ہی ایک ہے کہ اپنے رب سے مانگتا رہے‘ بلاوجہ بھی مانگتا رہے‘ پیدائش سے لے کر مرنے تک مانگتا رہے۔
دعا کے بعد نتائج پر ناراضی‘ بے ادبی ہوتی ہے کہ آپ کو اللہ کا فیصلہ پسند نہ آیا۔
اور آدمی کی دعا ہی کیا‘ زندگی بھر جو دعائیں کرتا ہے وہ سب مل جائیں تو زندگی جینے کے قابل نہ رہے‘
بیوی‘ بچے‘ دولت‘ گاڑی‘ عہدہ وشہرت زندگی بھر مانگتا ہے اور پھر یہی مال واسباب‘ اہل وعیال مصیبت بن جاتے ہیں‘
پھر انہی سے بھاگ کر سکون کی تلاش میں نکل پڑتا ہے‘ عجیب بے وقوفی ہے۔
انسانی خواہشات کی تکمیل پریشانی ہے اور اس کا واحد توڑ دعا ہے‘ دعا خیر ہی خیر ہے۔
یاد رکھنے کی بات ہے! کہ علم‘ علم کی پہچان ہے اور جہل جہالت کی۔
ایک پڑھے لکھے آدمی کو ہر جگہ علم بکھرا نظر آتا ہے اور وہ تمام عمر اسے کشید کرتا رہتا ہے‘
ایک جاہل آدمی کو کسی عالم میں بھی جہالت دکھ ہی جاتی ہے اور وہ تمام عمر اس کا ماتم کرتا رہتا ہے۔
آدمی کو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے‘ بے شک اس کی پناہ بڑی چیز ہے۔ تعوّذ سے بڑا تعویذ کیا ہوگا؟
اللہ اس حیا کے صدقے جو اسے ہمیں عذاب دیتے ہوئے آتی ہے‘ ہمیں معاف کردے‘ بے سبب‘ بغیر کسی وجہ کے۔ آمین!

انوکھی تربیت

بنت عبدالرحمن

کلیم ہاؤس میں صبح کے اجالے پھیل گئے تھے۔ سبزہ کے فرش پر سیٹھ کلیم اپنے رب کی عبادت کر رہے تھے۔ اکثر مال و دولت کے نشے میں لوگ اپنے رب کو بھول جاتے ہیں، مگر کلیم صاحب کے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور رخسار پر آنسو بہہ رہے تھے۔

عائشہ بیگم ناشتے کے لیے دستر خوان پر انتظار کر رہی تھی۔ آج پھر کلیم صاحب اپنے بیٹوں کی وجہ سے پریشان تھے۔ عائشہ بیگم نے کہا: ''آپ ناشتہ کریں پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں سیدھی راہ دکھائیں گے۔''

''نہیں عائشہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اولاد کے لیے نگران کا درجہ دیا ہے اور ان کی غلط تربیت کا جواب مجھے دینا ہوگا۔''

سیٹھ کلیم اور بیگم عائشہ نہایت نیک اور غریب پرور تھے، ان کا شمار ملک بھر کے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا اور وہ لوگ پھر بھی خوفِ الٰہی میں ڈوبے ہوتے تھے۔ دولت کی فراوانی اور معاشرے کی بے راہ روی نے ان کے دونوں بیٹوں کو انسانیت اور مذہب دونوں سے بے گانہ کر دیا تھا، ان کے بیٹے غریبوں اور نوکروں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے تھے، پھر ان دونوں کا دیر سے اٹھنا اور نماز سے غفلت نے کلیم صاحب کو اندر سے توڑ دیا تھا۔

کلیم صاحب سوچوں میں گم تھے۔ ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا تھا، لیکن وہ جانتے تھے، صرف سوچنے سے کام نہیں بنے گا کچھ کرنا ہوگا۔

آج کلیم ہاؤس کچھ بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔

''امی! یہ ماسی کو کیا ہو گیا ہے، کتنے دنوں سے میرے کمرے کی صفائی نہیں کی؟ اور میرے کپڑے بھی دھلے ہوئے نہیں ہیں کیوں؟''

''ہاں بیٹا! میں تمھیں بتانا چاہ رہی تھی، لیکن تم گھر میں ہو تو بتاؤں نا؟ ماسی نے کام چھوڑ دیا ہے۔''

''اور وہ مالی بھی نظر نہیں آیا۔''

''ہاں! اس کو بھی فارغ کر دیا گیا ہے۔''

''امی! آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟''

''یہی تو سمجھانے کے لیے تم دونوں کو دفتر میں بلایا ہے۔ خود بھی جانا اور اکرم کو بھی لے کر جانا۔'' عائشہ بیگم نے آہستہ آواز میں بیٹے کو سمجھایا، لیکن اس کا ردِ عمل انتہائی خطرناک تھا۔ ایمن نے پاؤں پٹخے، گاڑی کی چابی لی اور لاؤنج سے باہر نکل گیا، مگر دفتر نہ گیا۔

آج کلیم صاحب نے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو کمرے میں بلایا اور کہا: ''میں مقروض ہو گیا ہوں، جس کی وجہ سے مجھے یہ کوٹھی ''رہن'' رکھنی پڑ رہی ہے، لہٰذا دو ہی دن میں گھر خالی کرنا ہے، ورنہ اس سامان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے اور گھر کا سامان بھی چِھن جائے گا۔'' عائشہ بیگم جتنا پریشان ہوتی کم تھا، مگر بیٹوں کے پاؤں سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی، ان دونوں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ عیش و آرام، نوکر چاکر، بنگلہ، گاڑی سب چھوڑ کر صرف دو بیڈ رومز اور ایک ڈرائنگ روم کا چھوٹا سا کرائے کا گھر ان کا مقدر تھا۔ عائشہ بیگم نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا اور کلیم صاحب مطمئن تھے، مگر اکرم اور ایمن نے کالج جانا تک چھوڑ دیا تھا، یہ سب ان دونوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ ایک ہفتہ تو کلیم صاحب خاموش رہے، پھر ایک دن بیٹوں کے کمرے میں گئے۔ پیار سے بیٹوں سے پوچھا: ''بیٹا! آپ دونوں کالج کیوں نہیں جا رہے؟؟''

''ابو! ہم اس گھر سے کیسے جائیں، نہ گاڑی ہے، نہ ڈرائیور اور بس سے تو ہم جانے سے رہے...!!''

''کیوں بیٹا! جو بس سے جاتے ہیں کیا وہ انسان نہیں ہوتے یا ان کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے؟؟''

''آپ کی بات درست ہے ابو، مگر ہم کسی اور کو نہیں جانتے اور نہ ہمیں ان باتوں کی عادت ہے...!''

''بیٹا! تو تم دونوں کو اب ان حالات سے گزرنا پڑے گا، بہترین انسان وہی ہوتا ہے، جو ہر حال میں خوش رہے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔''

اکرم اور ایمن، نیک والدین کی اولاد تھے اور ان کی تربیت بھی بہترین کی گئی تھی، مگر بری صحبت اور دولت کی گرمی نے ان کے دماغ اونچے کر دیے تھے۔

خون اور تربیت کا اثر ضرور ہوتا ہے، آخر کار بس سے کالج جانے لگے اور ماں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹانے لگے تھے، یہ وہی اکرم اور ایمن تھے جو پانی تک خود بھر کر نہیں پیتے تھے اور اب خود کپڑے دھوتے اور خود کپڑے استری کرتے تھے۔ رمضان شروع ہونے والا تھا۔ کلیم ہاؤس میں رمضان کا رنگ کچھ اس طرح ہوتا تھا کہ سینکڑوں لوگوں کا پیٹ بھر جاتا ان کے بنائے ہوئے کھانوں سے، کیوں کہ وہ خود بھی کھاتے تھے اور وہ غریبوں کو بھی کھلاتے تھے۔ کلیم صاحب کی خوشی کا سب سے بڑا موقع تب تھا، جب ان کے دونوں بیٹے سحری کے لیے کلیم صاحب کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے اور پھر خود اٹھے اور باجماعت نماز پڑھنے لگے۔

چند ہی مہینوں میں اکرم اور ایمن بالکل بدل گئے تھے۔ سچ ہے...!! بری صحبت سے انسان برا ہی بنتا ہے۔ جب گڑھا دولت کا ختم ہو گیا تو جو دوست آگے پیچھے پھرتے تھے، وہ سب دور ہو گئے۔ کوئلوں کی کان سے گزرنے والے کے کپڑے کالے ہوتے ہی ہیں اور جب وہ راستہ ختم ہو جائے تو پھر سیاہی خود بخود اُجلے پن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سیٹھ کلیم کو جائیداد کے چلے جانے کا کوئی غم نہ ہو، بل کہ بیٹوں کے بدل جانے کی خوشی نے ان کی زندگی میں رنگ بھر دیا ہو۔ یہی حال عائشہ بیگم کا بھی تھا۔ پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ یہ وہی عورت ہے، جو شاہانی زندگی گزارا کرتی تھی اور اب ایسی...!!

اس دن تو کلیم صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، جب انھوں نے اکرم کو ایک بوڑھے غریب آدمی کا سامان اٹھا کر سڑک پار کراتے اور اس کے گھر تک چھوڑتے ہوئے دیکھا۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک دن کلیم صاحب دفتر سے گھر آ رہے تھے تو اکرم کو بھاری گٹھڑا اٹھا کے سڑک پر سے جاتے ہوئے دیکھا اور ان کے کہنے کے باوجود کہ وہ اسے گاڑی میں چھوڑ آتے ہیں، اکرم نے منع کر دیا اور خود بوڑھے آدمی کو اس کے گھر تک چھوڑ آیا، حالاں کہ یہ وہی اکرم تھا جو کسی غریب سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

تربیت کے لیے ماحول بہت ضروری ہے۔ شاید اب ان کے دلوں میں امارت اور غربت کا فرق ختم ہو گیا تھا اور وہ غریبوں کو انسان سمجھنے لگے تھے۔ ربِ کائنات اپنے بندوں کے حال سے بے خبر نہیں رہتا، اگر نیت صاف ہو تو منزل صاف اور آسان ہو جایا کرتی ہے۔ آزمائش کی کسوٹی نے اب ہیرے کو ہیرا اور موتی کو موتی بنا دیا تھا۔

ایک دن اکرم اور ایمن کالج سے واپس آئے تو گھر کو تالا لگا ہوا پایا اور ان کا پرانا ڈرائیور شریف خان، نئی چمکتی دمکتی گاڑی کے ساتھ گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ ''ارے شریف چچا، آپ...!!'' وہ دونوں حیران ہو گئے۔

شریف خان کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو بہہ پڑے: ''ہم آپ دونوں سے دور نہیں تھا صاحب...! یہ تو بڑے صاحب کا حکم تھا۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔''

وہ دونوں کچھ بھی نا سمجھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی ان کے وسیع و عریض پرانے گھر کے سامنے رکی ''کلیم ہاؤس'' کا بورڈ بھی پہلے کی طرح چمک رہا تھا۔ سب کچھ پہلے کی طرح سا لگ رہا تھا، جیسے وہ یہاں سے کہیں گئے ہی نہ ہوں۔

''امی! یہ سب کیا ہے...؟؟'' دونوں نے لاؤنج میں بیٹھی، اپنی والدہ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں میرے بچو...!! ہیرے کو تراشنے کے لیے پتھر کی چوٹ اور سونے کو کندن کرنے کے لیے بھٹی کی آگ ضروری ہوتی ہے۔'' سیٹھ کلیم یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر آئے اور دونوں بیٹوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وقت کے چند طمانچوں نے اور ماں باپ کی دعاؤں اور تربیت نے انھیں بہترین انسان بنا دیا تھا۔ سیٹھ کلیم اپنی شریک حیات کو معنیٰ خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''سچ ہے!! تربیت کے ساتھ اچھا اور نیک ماحول انتہائی ضروری ہے...''

خط نمبر 37

محمد دانش

باپ کا بیٹی کے نام خط

سبق آموز نصیحتیں

میری سعادت مند بیٹی۔ ہزاروں دعائیں!

بیٹی! رخصتی کے وقت مائیں اپنی بچیوں کو ایسی دل آویز نصیحتیں کیا کرتی تھیں، جس پر عمل کر کے وہ اپنے سسرال میں اپنی دھاک بٹھا لیتیں اور اپنی نیک سیرت کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کرتیں کہ نہ صرف سسرال والے بلکہ پڑوسی بھی اس پر رشک کرتے اور کہتے "بہو ہو تو ایسی ہو!"

رخصتی سے پہلے امامہ بنت حارث کی اپنی بیٹی کو اہم نصیحتیں: یہ ایسی نصیحتیں ہیں، جن سے مبارک اِزدواجی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں اور یہ پتا چلتا ہے کہ بیوی پر اس کے شوہر کے کیا کیا حقوق اور واجبات ہیں۔ یہ نصیحتیں تمام دلہنوں کے لیے ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

"بیٹی! تیرا وہ ماحول چھوٹ گیا، جہاں غافل کو بھی ایک مقام حاصل تھا اور عقلمند کو بھی سہارا تھا۔ تیرا وہ نشیمن بھی پیچھے چلا گیا جس میں تو پروان چڑھی تھی۔ اب تیرا رُخ ایسے آشیانے کی طرف ہے، جس سے تو آشنا نہیں۔ وہاں تیرا ہم نشین وہ ہے، جو تیرا شناسا نہیں۔ آج تو سر چوٹی سے پائوں کے تلوے تک اسی کے زیرِ نگیں ہے، اس لیے تو اس کی کنیز بن کر رہ، وہ تیرا تابعدار غلام بن کر رہے گا۔ اس کے لیے **دس عادتیں** اپنے اندر پیدا کر، آگے چل کر یہ تیرے کام آئیں گی۔

پہلی اور دوسری خصلت یہ ہے کہ قناعت کے ساتھ ساتھ اس کے لیے انکساری برتنا، اس کی ایک ایک بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔ **تیسری اور چوتھی خصلت** یہ ہے کہ شوہر کی نگاہ اور اس کی پسندیدہ خوشبو کا خیال رکھنا، اس لیے جب اس کی تجھ پر نگاہ پڑنے اس کی طبیعت میلی نہ ہونے پائے، تیرے بدن سے ایسی کوئی مہک نہ آئے جو اسے نہ پسندیدہ ہو۔ **پانچویں اور چھٹی خصلت** یہ ہے کہ اس کے سونے اور کھانے کے اوقات کا لحاظ رکھنا، کیوں کہ تادیر بھوک برداشت کرنے سے آگ سی بھڑک اُٹھتی ہے اور نیند میں کمی آنے سے غصہ تیز ہوتا ہے۔ **ساتویں اور آٹھویں خصلت** یہ ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرنا، اس کے اہل وعیال اور اس کے مرتبے کا خیال رکھنا، مال کی بہتر نگہداشت حسنِ انتظام سے ہوتی ہے اور اہل وعیال کی حفاظت حسنِ تدبیر سے۔ نویں اور دسویں خصلت یہ ہے کہ کبھی اس کی حکم عدولی نہ کرنا، نہ ہی اس کے کسی راز کو آشکارا کرنا۔ اگر اس کی حکم عدولی کی تو اس کا سینہ غصے سے بھڑک اُٹھے گا اور اگر اس کے راز فاش کیے تو اس سے حفاظت ممکن نہ ہو سکے گی۔ جب وہ رنجیدہ ہو تو اس کے سامنے ہرگز خوشی کا اظہار نہ کرنا اور اگر خوش ہو تو رنج وغم ظاہر نہ کرنا۔"

رُخصتی سے پہلے ایک اور ماں کی اپنی بیٹی کو نصیحت: ایک ماں نے اپنی بیٹی کو خوشی اور غمی کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ ذیل کی نصیحتوں سے نوازا۔

میری بیٹی! میری لختِ جگر! ایک نئی زندگی کی شروعات پر تیرے قدم اُٹھنے والے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جہاں تیری ماں یا تیرے باپ کا گزر نہیں، نہ تیرے کسی بھائی کا وہاں ٹھکانہ ہے، تو ایک ایسے شخص کی ہم سفر اور شریک زندگی بننے جارہی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو یہاں تک کے تیرے عزیز ترین رشتے داروں کو بھی تیرے اندر اپنا حصہ دار دیکھنا گوارا نہیں کرے گا، خواہ اس سے تیرا خونی رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ میری عزیز بیٹی! تو اس کی زوجہ اور اس کی ماں دونوں کا کردار ادا کرنا، اس کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ رکھنا گویا تو ہی اس کی زندگی کی کُل پونجی اور تو ہی اس کی دنیا کا کُل سرمایہ ہے، یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ مرد خواہ کوئی بھی ہو اس کی حیثیت بڑے بچے کی سی ہوتی ہے۔ نرم اور مختصر سی بات جو اس کے لیے بھی سعادت مندی کی ہے وہ یہ کہ تو ہرگز اسے یہ احساس نہ دلانا کہ اس سے نکاح کے بعد تو اپنے اہلِ خانہ سے کٹ گئی ہے۔ ویسے اسے بھی بخوبی اس کا احساس ہو گا، اس لیے اس نے بھی صرف تیرے لیے اپنے والدین اور اپنے خاندان کو چھوڑا ہے، پھر بھی تیرے اور اس کے درمیان فرق وہی مرد اور عورت ہونے کا ہے۔ عورت ہمیشہ اپنے خاندان کی طرف مائل ہوتی ہے، اس کا دل اسی گھر میں اٹکا ہوتا ہے جہاں وہ پیدا ہوئی، پلی بڑھی، پروان چڑھی۔ لیکن بہر حال! اسے اس نئی زندگی کا خود کو عادی بنانا ہے، ایک ایسے شخص کے ساتھ اپنی زندگی کو پُر کیف بنانا ہے جو اس کا شوہر، اس کا نگراں اور اس کے ہونے والے بچوں کا باپ ہے اور یہی اس کی پوری دنیا اور کل کائنات ہے۔

میری بیٹی! میری لختِ جگر! یہ تیرا حال اور مستقبل ہے، یہ تیرا مشترکہ خاندان ہے جس کے بنانے اور تعمیر کرنے میں تو اور تیرا شوہر دونوں شریک ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ آج سے تو اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو بھول جانا، ہرگز نہیں! اس لیے کہ میری لاڈلی! وہ بھی تجھے کبھی فراموش نہیں کریں گے اور ایک ماں اپنے دل کے ٹکڑے کو فراموش بھی کیسے کرسکتی ہے، ہاں میری التجا یہ ہے کہ تو اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنا، اسی کے لیے جینا اور اسی کے ساتھ رہنے میں اپنی زندگی کی خوشی سمجھنا۔

دعا گو

آپ کے ابو

ماں کی دعا

ڈاکٹر الماس روحی

اس نے خدا کا رنگ اختیار کیا تھا' یہی رنگ سب سے اچھا ہوتا ہے۔ اب اسے کوئی گلہ شکوہ نہیں تھا۔ دل مطمئن تھا۔ اسے دیکھ کر لوگ بے اطمینان تھے اور اس کی فکر میں گھل رہے تھے' لیکن وہ تھا جو بے نیاز تھا۔ اللہ کا نور اور اس کی محبت دل میں اترتی جا رہی تھی۔ اسے نہیں خبر تھی کہ سامنے کے قید خانے میں جو قیدی ہے' وہ اس سے کیوں کر اور کس قدر خائف ہے اور وہ اسے کیا کیا سزا دینا چاہتا ہے۔ وہ تو بس بیٹھ کر بچپن میں یاد کی گئی سورتیں اور کلمے دہراتا رہتا تھا۔ قید خانے کی در و دیوار کو دیکھ کر اکثر سوچا کرتا تھا کہ اس در و دیوار کا تو بڑا احسان ہے مجھ پر' جس خدا کو میں بھول چکا تھا' وہ مجھے یہاں یاد آیا' جب میں بے بس ہو گیا تھا۔ کتنا میری ماں میرے لیے چاہتی تھی کہ میں حافظ بنوں' قرآن حفظ کروں' مگر میں گلّی ڈنڈا' کنچے' پٹّو گرام' چور سپاہی کھیلتے ہوئے اکثر ماں کی پکار کو اَن سنا کر دیتا تھا۔ ماں ہر رات اپنے گھٹنوں پر میرا سر رکھ کر پیار سے سہلاتے ہوئے کہتی: ''میرا بیٹا! قرآن حفظ کر لے۔ دیکھ جو قرآن حفظ کرتا ہے نا' اس کو بڑا اجر ملتا ہے۔ ساری زندگی تو آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ دل میں دنیا گھر نہیں کرے گی' بل کہ رب رہے گا تیرے دل میں۔'' میں ماں کی باتیں سن کر واقعی کوششیں کرتا' مگر پھر دل اُچاٹ ہو جاتا اور کھیلنے دوڑ جاتا۔

زندگی کے 20 برس پلک جھپکتے ہی گزر گئے۔ بچپن سے لڑکپن' لڑکپن سے جوانی کے اس سفر نے سارے کام کروائے' لیکن میں نہ پڑھ سکا تو قرآن نہ پڑھ پایا۔ چند پارے پڑھے تھے بس پھر جی اُچاٹ ہو گیا۔ میں نے پارچہ بافی کا کام شروع کیا۔ میں فیصل آباد جاتا تھا اور کپڑوں کی لاٹ کی لاٹ لاتا تھا۔ میرے لائے ہوئے کپڑے خواتین کو بہت پسند آتے تھے۔ میں نے ایک مہنگے بازار میں کپڑوں کی بوتیک کھول لی۔ میری دکان کی چمک دمک ہی الگ تھی اور پھر گفتگو کا طریقہ بھی مجھے اچھی طرح آتا تھا' اس لیے میرا کاروبار ترقی پر تھا' چند سالوں میں میری دو چار بڑے بازاروں میں کئی دکانیں بن چکی تھیں' جہاں میں نے اپنے ملازم رکھے تھے۔ میں ملازم رکھتے ہوئے ان کی تعلیم اور اندازِ بیان بھی دیکھا کرتا تھا' تاکہ وہ جب کپڑا فروخت کریں تو گاہک کو عزت و احترام سے مخاطب کریں۔ میری دکانوں سے کوئی گاہک خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ دیدہ زیب رنگ' ڈیزائن اور کپڑے کا معیار انھیں میری دکانوں کا رخ دکھاتا تھا۔ صبح جب میں کاروبار کے لیے نکلتا تو میری ماں مجھ پر سورتوں اور آیتوں کا حصار کرتی اور دعائیں دیتی تھی۔ بیشک یہ ماں ہی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا' جو اللہ نے مجھے اتنا عطا کیا تھا۔ ایک روز میں ڈیفنس کی بوتیک پر تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ بازار میں کم ہی لوگ تھے' اس لیے کہ ڈیفنس کی گلیاں رات کو جاگتی ہیں' اچانک ایک لڑکی دکان میں داخل ہوئی' وہ سیاہ برقعے میں تھی' جس کے لہجے میں مٹھاس تھی۔

''سنیے! پلیز پرنٹ دِکھا دیجیے۔'' میں نے اس کا اشارہ دیکھتے ہوئے تھان نکال دیا۔

''بہت خوبصورت ہے یہ پرنٹ' چھوٹا ڈیزائن ہے اور کھِلا کھِلا رنگ ہے۔'' دکان دار نے سوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

اس نے میری بات کو نظر انداز کر کے کہا: ''اس میں سے ایک سوٹ کاٹ دیں۔''

میں اس رات نہ سویا۔ مجھے نہ جانے کیوں وہ اتنی اچھی لگی... ڈیفنس کے علاقے میں خواتین جس حُلیے میں بازاروں میں نظر آتی ہیں' وہ بیان سے باہر ہے۔ دولت اور بے تحاشہ دولت کا ہونا گھر کی خواتین کو خواتین نہیں' بل کہ ایک عجوبہ بنا دیتی ہے۔ عمر رسیدہ خواتین پارلروں کے چکر لگا لگا کر اپنی شکل ہی بگاڑ لیتی ہیں۔ اکثر بوڑھی خواتین کو دیکھ کر مجھے تو اپنی ماں کا سفید دوپٹہ کے حلقے میں لپٹا پُر نور چہرہ یاد آ جاتا تھا اور میں ایسی خواتین پر افسوس کیے بغیر نہ رہتا تھا' جو غیر مردوں کے سامنے نہ جانے خود کو کیا سمجھ کر چلا کرتی تھیں۔ ایسے ماحول میں' میں نے اس لڑکی کو غور سے دیکھا' جو خود بہت سادہ تھی اور جس کی پسند بھی بہت سادہ تھی۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا' مگر ہمت نہ ہوتی تھی۔ مہینے دو مہینے بعد وہ ضرور نظر آتی تھی۔ سردیاں آچکی تھیں۔ موسم بدلتے ہی' کپڑے بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ اس دفعہ اس نے کھڈّی کے دو سوٹ خریدے تھے۔ اس کے ڈرائیور نے گاڑی میری دکان کے قریب لا کھڑی کی تھی۔ میں نے دیکھا وہ بوتیک کے دوسرے پورشن میں لیسیں وغیرہ دیکھ رہی ہے۔ میں باہر گیا اور ڈرائیور سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں پتا چلا کہ وہ پچھلے پندرہ سال سے اس کے گھر کا ڈرائیور ہے۔ خیابانِ شمشیر میں اس لڑکی کی رہائش ہے اور اس کا نام عائشہ ہے' جو ایک مدرسہ کی معلّمہ ہے۔

گھر میں میری ماں کا اصرار شادی کے لیے بڑھ چکا تھا۔ جب میں نے اپنی ماں کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ زندگی میں اللہ نے مجھے اچھی ماں کی طرح نیک اور خوبصورت بیوی سے بھی نوازا۔ اس کے گھر کا ماحول بالکل الگ تھا' مگر اللہ نے دین کی خاص سمجھ کی توفیق اسے دی تھی۔ عائشہ بہت پارسا' پاکیزہ اور معصوم تھی' اسے ایک بیوی کے سارے وظائف بخوبی ادا کرنے آتے تھے۔ اس نے میرا اور میری ماں کا بہت خیال رکھا تھا' وہ روز صبح سویرے اُٹھتی' نمازِ فجر پڑھتی اور قرآن کی تلاوت کرتی تھی۔ نہ جانے کیوں بچپن ہی سے قرآن کی تلاوت اگر زور سے کوئی بھی کرتا تو میرے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ میں اللہ کے کلام کی تعظیم بھی بہت کرتا تھا۔ میں نے اپنے ملازموں کو خاص کر ہدایت کر رکھی تھی کہ دکان کھلتے ہی صفائی ستھرائی کے دوران ٹیپ پر تلاوتِ قرآن پاک لگا دی جائے۔ میرے پہنچنے سے پہلے پہلے ملازموں کو یہ کام کرنا ہوتا تھا۔ عائشہ جب تلاوت کرتی تو میں سننا چاہتا' مگر شیطان مجھ پر غالب ہونے لگتا اور مجھے سر درد ہونے کے ساتھ غصہ بھی آنے لگتا' میں اکثر کہتا تھا: ''تھوڑا اور آرام سے پڑھا کر۔''

زندگی ایک مرد اور عورت کی مکمل تب ہوتی ہے' جب اولاد ہو جاتی ہے۔ شادی کو دس سال گذر چکے تھے' مگر میں اور عائشہ اولاد سے محروم تھے' وہ اکثر مجھے دوسری شادی کا مشورہ دیتی تھی۔ کہتی تھی کہ ''قاسم! زندگی بہت مختصر ہے۔ بہت انتظار کر لیا... آپ دوسری شادی کر لیں۔ میں آپ کو بخوشی اجازت دے رہی ہوں' مجھے یقین ہے کہ آپ کسی کے ساتھ حق تلفی نہیں کریں گے۔'' مگر میں اس کی ان باتوں سے چِڑ جاتا اور اپنی ماں کے پاس جا کر اپنے دل کی بات کیا کرتا: ''امی جان! کیا اسے مجھ سے محبت نہیں ہے؟ کس قسم کی عورت ہے یہ' جو بٹوارے کی بات کرتی ہے۔ عورتیں تو زمین و آسمان ایک کر دیتی ہیں شوہر کی دوسری شادی کرنے پر۔ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گرتی ہے اور ایک یہ عورت ہے' بالکل بے حس! جو ابھی تک میری محبت نہیں سمجھی۔'' میری ماں مصلّے پر بیٹھی' مجھے مسکرا کر دیکھتی اور کہتی: ''بیٹا! وہ بے حس نہیں ہے... بل کہ سمجھ دار ہے! اس کے دل میں رب رہتا ہے' اس لیے بے نیاز ہے۔ تو بہت خوش نصیب ہے کہ تجھے عائشہ جیسی مؤمنہ بیوی ملی ہے۔ اس کی قدر کر اور دعا کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسی سے فرماں بردار' نیک اور صالح اولاد عطا فرمائے۔ بیٹا! اللہ کے ہاں دیر ہے' مگر اندھیر نہیں۔'' ماں کو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا دیکھ کر میں پُر امید ہو جاتا کہ اللہ مجھے ضرور اولاد دے گا' یہ آخر میری ماں کی دعا ہے۔ اُس روز میں فیصل آباد میں تھا اور کپڑے لے کر لوٹ رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک ٹیکسی کا ایکسڈنٹ دکھائی دیا۔ میں نے گاڑی روکی۔ وہ صاحب جو مسافر تھے' وہ بہت پریشان تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں انھیں لِفٹ دے دوں تو مہربانی ہو گی' ان کے ہاتھ میں دو بریف کیس تھے۔ میں نے ازراہِ ہمدردی انھیں بٹھا لیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے' انھوں نے بس اسٹاپ پر پان لینے کے لیے گاڑی رکوائی اور پھر ہجوم میں غائب ہو گئے۔ میں انتظار کرتا رہا' آخر تھک ہار کر میں نے گھر کی طرف رُخ کیا۔ میں بھول چکا تھا کہ اس کے ہاتھ میں دو بریف کیس بھی تھے جو اس نے پیچھے رکھے تھے۔ اچانک پولیس کی موبائل نے میری گاڑی رکوائی اور مجھے تھانے لے گئے۔ میں ہکّا بکّا کھڑا تھا۔ ان بریف کیس میں کئی کلو ہیروئن تھی۔ میں چیخ چیخ کر ان سے کہتا رہا کہ یہ بریف کیس میرا نہیں ہے' لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی۔ مجھے بے تحاشہ مارا گیا' دھتکارا گیا اور قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ لمحوں میں میری زندگی کہاں سے کہاں آ جائے گی۔ کیا نیکی یوں گلے پڑتی ہے؟ میری زندگی تباہ ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ مارے صدمے کے میں کمزور ہوتا چلا گیا اور خاموش رہنے لگا۔ مجھے اس دنیا میں اب کچھ نظر نہیں آتا تھا سوائے دھوکے کے۔ ایک قیدی کی زندگی عبرت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ یہاں ایک دوسرے کو نوچنے' کھرچنے والے درندے رہتے ہیں۔

جاوید بھی ایک ایسا درندہ تھا' جس نے ایک گروہ بنا رکھا تھا۔ اس جیل میں اس کی دادا گیری چلتی تھی' وہ ہر کمزور کو دباتا تھا۔ میں خاموش رہتا تھا' لیکن کمزور نہیں تھا۔ ایک روز اس نے مجھے بلاوجہ چھیڑا اور میں نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اس دن سے لوگ میرے رفیق بن گئے۔ ہر بڑی طاقت زیر ہو سکتی ہے' بس ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگ بلاوجہ اس سے ڈرتے تھے' وہ بس باتوں کا شیر تھا۔

مجھے اکثر راتوں کو اپنی معصوم بیوی کا غمزدہ چہرہ ستاتا تھا۔ اس دفعہ وہ مجھ سے ملنے آئی تو بے تحاشہ روئی' وہ بہت دنوں بعد آئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اُمید سے ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور رو پڑا۔ اس حالت میں اسے میری کتنی ضرورت تھی۔ یہ قدرت کا کیسا نظام ہے' اتنے عرصے بعد خوش خبری دی بھی تو کن حالات میں...!! میں بے بسی سے اسے بس! دیکھتا ہی رہا۔

انسان جب مجبور اور بے بس ہوتا ہے تو اسے صرف اللہ یاد آتا ہے۔ میں نے نماز کی پابندی پہلے سے زیادہ کرنی شروع کر دی اور جب قرآن پڑھنے کی حوالدار سے رغبت ظاہر کی تو اس نے مجھے قرآن لا کر دے دیا۔ اب میں صبح سویرے اٹھتا اور فجر کی نماز پڑھ کر قرآن پڑھتا تھا۔ تھانے دار صاحب نے ایک مولانا کو مجھے قرآن پڑھانے پر بھی مامور کر دیا۔ اکثر وہ مجھے پڑھا چُکتے تو حوصلہ دیتے: ''پروردگارِ عالم نے اس فانی دنیا میں آرام و تکلیف' رنج و غم' دوست و دشمن' بیماری و تندرستی اور طرح طرح کی صدہا راحتوں اور مصیبتوں میں پیدا فرما کر انسانوں کو اس میں مبتلا کیا ہے۔ اللہ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے ''لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ'' انسان کو ہم نے مشقت اور تکلیف میں پیدا کیا ہے' مگر اس کے ساتھ نجات کے لیے اَحتیاطی تدابیر بھی مقرر فرما دی ہیں' جس سے انسان اپنے مسائل حل کر سکتا ہے۔

''مولانا صاحب! وہ تدابیر کیا ہیں؟'' میں نے پُر اُمید ہو کر انھیں دیکھا۔

''بیٹا! سب سے قوی تر تدبیر یہ ہے کہ بلاؤں اور مصائب کے اتارنے والے کو پکارا جائے' جِسے دعا کہتے ہیں۔ بس! یقین کے ساتھ دعا کرو گے تو دعا ضرور قبول ہو گی۔'' اس روز میں نماز میں بہت رویا: ''اے میرے رب! میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ تُو دیکھ رہا ہے' مجھے سزائے موت دی جا رہی ہے۔ میں بے گناہ ہوں... میں نے وہ گناہ نہیں کیا... اے اللہ! تُو مجھے بچا لے اور مجھے میرے اپنوں میں پہنچا دے۔ میری ماں میرے لیے تڑپ رہی ہے۔ میری بیوی کو میری ضرورت ہے۔ اے ربِّ کریم! مجھ پر رحم فرما۔ مجھے اس آزمائش سے نکال لے' میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔'' میں سجدوں میں روتا' ہاتھ جوڑ کر دعا مانگتے ہوئے اپنے رب سے معافی مانگتا اور پھر قرآن کھول کر بیٹھ جاتا اور گھنٹوں پڑھتا تب میرے دل کو قرار آتا۔

جب میں نے قرآن حفظ کر لیا تو حوالدار صاحب نے تھانے میں مٹھائی تقسیم کروائی اور انھوں نے مجھ سے کہا: ''تم ایک نیک انسان ہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ تمہیں سزائے موت نہ ملے۔''

میں ان کی بات سن کر رو دیا اور کہا: ''میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا ہے۔ میرا رب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔'' وہ رات میری آخری رات تھی۔ صبح صادق کے وقت میں اٹھا' وضو کیا اور نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنی ماں' بیوی اور بچے کے لیے دعا مانگی۔ آج مجھے اپنی ماں بہت یاد آ رہی تھی۔ عائشہ نے مجھے بتایا تھا کہ ماں جی بہت بیمار ہیں۔ آپ کو یاد کر کے صبح و شام روتی ہی رہتی ہیں۔ میں نے انھیں آپ کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا۔ عائشہ نے اچھا کیا کہ میری ماں کو کچھ نہیں بتایا... میری ماں تو مجھے اس حالت میں دیکھ کر مر ہی جاتی۔ ماں نے بیوہ ہونے کے بعد ' مجھے بڑی محنت و مشقت سے پالا تھا۔ سارا سارا دن میرے کاموں میں مصروف رہتی ' میرے لیے طرح طرح کے کھانے بناتی ' روز مجھے اسکول چھوڑ کر آتی '' مجھے نہلاتی دھلاتی ' مجھے صاف ستھرا رکھتی ' بیماری میں میری تیمارداری کرتی۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا ' سونا جاگنا ' سب میری ذات کے گرد تھا ' وہ یہ سب کیسے برداشت کرتی...؟؟ غم سے میری ماں کا سینہ نہ پھٹ جاتا۔
صبح ٹھیک آٹھ بجے مجھے سپاہی لینے آگئے۔ قید خانے میں کھڑے سب قیدی اداس تھے ' انھیں مجھ سے اُنس ہو گیا تھا ' ہر آنکھ نمدیدہ تھی۔ میں نے جاتے ہوئے سب سے مصافحہ کیا اور میں اداس اور غم زدہ اپنے آپ سے کہنے لگا : ''کیا میرا رب میرا ساتھ دے گا؟ یہ پل ' یہ چند لمحے ' جو میری سانسوں کے باقی رہ گئے ہیں ' اس میں کوئی کرشمہ خدا دکھا سکتا ہے...؟'' تھانیدار صاحب ' جلاد ' ڈاکٹر اور چار سپاہی میرے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ جلاد نے ایک سیاہ رنگ کا کپڑا میرے منہ پر چڑھا دیا۔ میں نے سورۂ یٰسں دل میں پڑھنا شروع کر دی ' تاکہ زندگی سے موت کا سفر آسان ہو جائے۔ اب میری سوچوں میں رشتے ناطے مدہم پڑ رہے تھے ' اب سانس اُکھڑنے والی تھی۔ جلاد نے مجھے تختہ دار پر کھڑا کیا اور رسی میرے گلے میں ڈالی۔ میں نے ''کلمہ'' پڑھنا شروع کر دیا اور آنکھیں زور سے بند کر لیں۔ پھندہ کھینچتے ہی مجھے لٹک جانا تھا۔ اچانک مجھے قدموں کی آواز سنائی دی ' مگر یہ کیا...؟؟ تھانے دار صاحب نے میری رسی کھلوادی اور مجھے تختہ دار سے اتارا گیا۔ ''اصل مجرم پکڑا گیا ہے ' جس نے بیان دیتے ہوئے پولیس کو بتایا ہے کہ اس نے تمہیں کیسے پھنسایا تھا۔'' آنے والے پولیس اہلکار نے کہا۔

یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا : ''بے شک میرے رب ! تُو ہی آڑے وقت اور مصیبت میں کام آنے والا ہے۔ تُو رحیم ہے۔ تُو کریم ہے۔ شکر ہے میرے مولا کہ تُو نے مجھے بچالیا۔ میں بے گناہ تھا اور تُو نے میرا ساتھ دیا۔''

تھانے میں اس روز جشن کا سماں تھا۔ مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور مجھے تھانے دار صاحب نے رخصت کرتے ہوئے دعا دی : ''حفیظ صاحب ! آپ بہت خوش نصیب ہیں ' خدا نے آپ کو پھر سے زندگی دی ہے۔ تم ہمیشہ خوش رہو۔''

میں گھر پہنچا تو میری ماں مجھ سے لپٹ کر بہت روئی ' وہ مجھے چومتی رہی اور دعائیں دیتی رہی۔ ہاں...! ! یہ میری ماں کی دعا تھی کہ میں واپس لوٹ آیا۔ عائشہ کی گود میں میرا ننھا منّا سا بیٹا کھیل رہا تھا۔ میں نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور عائشہ کا شکریہ ادا کیا ' جس نے میری غیر موجودگی میں ' پردے میں رہ کر میرا کاروبار دیکھا اور گھر میں ماں کا بھی خیال رکھا۔

''بیٹا ! ہم نے اس کا نام محمد اُویس رکھا ہے۔''

میں نے اُویس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا : ''اماں ! یہ نام بہت اچھا ہے۔ اویس کو میں حافظ بناؤں گا ' پھر دنیاوی تعلیم بھی دوں گا۔'' میری ماں مسکرا دی۔ اب میں روز گھر سے نکلنے سے پہلے ماں کو قرآن سناتا ہوں تو میری ماں مجھے دعائیں دیتی ہے کہ میں نے ان کی حافظ بننے کی خواہش پوری کر دی۔

بقیہ

کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے یہ انتظام فرمایا ہے تو نبی کریم ﷺ ' جو قیامت تک تمام انسانیت کے نبی اور ہادی و مرشد تھے ' قیامت تک پوری انسانیت کی سعادت جن کے قدموں سے وابستہ کر دی گئی تھی ' اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے امت کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لیے خصوصی انتظام فرمایا ہو تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے ' کیوں کہ حکمت و ہدایت کا یہی تقاضا تھا۔

7: اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی کتابِ ہدایت تھی ' آپ ﷺ کی جلوت کے افعال و اقوال کو نقل کرنے والے تو ہزاروں صحابہ کرام موجود تھے ' لیکن آپ ﷺ کی خلوت و تنہائی کے حالات امہات المؤمنین کے سوا اور کون نقل کر سکتا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ان خفی اور پوشیدہ گوشوں کو نقل کرنے کے لیے متعدد ازواج مطہرات کا انتظام فرما دیا ' جن کی بدولت سیرتِ طیبہ کے خفی سے خفی گوشے بھی امت کے سامنے آگئے اور یوں آپ ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب بن گئی ' جس کو ہر شخص ہر وقت ملاحظہ کر سکتا ہے۔

8: اگر غور کیا جائے تو کثرتِ ازواج اس لحاظ سے بھی معجزہ نبوت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف قبائل کی متعدد خواتین نبی کریم ﷺ کی نجی سے نجی زندگی کا شب و روز مشاہدہ کرتی ہیں اور وہ بیک زبان آپ ﷺ کے تقدس و طہارت ' آپ ﷺ کی خشیت و تقویٰ ' آپ ﷺ کے خلوص و للّٰہیت اور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ اخلاق و اعمال کی شہادت دیتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ نبی کریم ﷺ کی نجی زندگی میں کوئی معمولی سا جھول اور کوئی ذرا سی بھی کجی ہو تو اتنی کثیر تعداد ازواج مطہرات کی موجودگی میں وہ کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی نجی زندگی کی پاکیزگی کی یہ ایسی شہادت ہے جو بجائے خود دلیلِ صداقت اور معجزہ نبوت ہے۔

یہاں بطورِ نمونہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے نجی زندگی میں نبی کریم ﷺ کے تقدس و طہارت اور پاکیزگی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ وہ فرماتی ہیں : ''میں نے کبھی نبی کریم ﷺ کا ستر نہیں دیکھا اور نہ نبی کریم ﷺ نے کبھی میرا ستر دیکھا۔''

کیا اس اعلیٰ ترین اخلاق اور شرم و حیا کا نبی کی ذات کے سوا کوئی نمونہ مل سکتا ہے ؟ غور کیجیے کہ آنحضرت ﷺ کی نجی زندگی کے ان ''خفی محاسن'' کو ازواج مطہرات کے سوا کون نقل کر سکتا تھا؟

"ذیمل بیٹا، مریم بیٹا اٹھو!" ماریہ کمرے میں آئی۔ خوب صورت سا کمرہ، جہاں ہر طرف خوش بو پھیلی ہوئی تھی۔ پنک پردے، ریڈ قالین، ریڈ بیڈ شیٹ، ریڈ کور والا صوفہ۔ ماریہ کی آواز پر مریم فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ذیمل کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ذیمل میری جان...!" شفقت سے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا "ذیمل اٹھونا!" پیار سے پُچکارا "دیکھو تو صبح ہو گئی ہے، اٹھو جلدی کرو۔" آہستہ سے کمبل سرکا، تب ہی ذیمل غنودگی سے بھری آواز میں بولی اور ساتھ ہی کروٹ بدلی۔

"اٹھ رہی ہوں بہنا، آپ جائیں۔"

"بیٹا! ذرا جلدی اٹھونا، تمہارا اماموں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ماریہ دوبارہ یہ کہتے ہوئے آہستگی سے باہر نکل گئی۔

"ہمایوں ویلا" میں ذیمل کو اتنی بے پناہ محبتیں اور پیار ملا کہ کبھی بھی اسے اپنے ماں باپ کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ ماریہ جیسی ممانی اللہ کی خاص رحمت تھی۔ مریم اور اس کی کزن تو ہم عمر تھیں۔ دونوں کا بچپن اکٹھا گزرا، البتہ مصطفی اس سے عمر میں کچھ بڑا تھا، جو اپنی تعلیم پوری کرنے امریکہ جا چکا تھا۔ ہمایوں اور ماریہ دونوں اپنی بیٹی مریم سے بھی زیادہ ذیمل کا خیال رکھتے تھے۔

"ممانی مائرہ کا سیٹ بہت پیارا تھا" کہتے ہی دوسرے دن ویسا ہی سیٹ اس کے پاس ممانی کی بدولت ہوتا۔ "ماموں شفا نے نئی گاڑی لی ہے" کہتے ہی دوسرے دن گاڑی چینج ہوتی۔ بہت محبت، پیار ملا ذیمل کو۔ ذیمل کی اکثر سہیلیاں کہتیں "منہ میں سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوئی ہے" وہ مسکرا پڑتی، مگر نجانے کیوں؟ اتنی محبتوں اور چاہتوں کے باوجود اس کا دل اداس رہتا۔ کہتے ہیں نا کہ "جن کے پاس اتنی ساری محبتیں اور پیار ہو تو وہ لوگ اکثر پریشان رہتے ہیں۔" ذیمل کے ساتھ بھی شاید کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔

بچپن ہی سے اس کے والدین اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ دنیا بھر کی ہر ممکن خوشی اسے ماموں اور ممانی جان نے دی، مگر جب اچانک مرحوم والدین کی یاد ستاتی تو اکثر یہ شعر گنگنانے لگتی:

کیسی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کیسے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

"ذیمل بیٹی! آج خصوصی ڈِشز تیار کرو۔ شام تک تمہارے کزن مصطفی پہنچنے والے ہیں۔" ممانی نے شفقت بھرے لہجہ میں کہا۔

ذیمل مصروف ہو گئی۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر تھی، کیوں کہ آج ہمایوں صاحب کا اکلوتا بیٹا مصطفی امریکہ سے پی۔ایچ۔ڈی کر کے واپس آ رہا تھا۔ مصطفی کے آنے پر سب خوش تھے، ہمایوں صاحب بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" ماریہ نے پوچھا۔

"ماریہ کیوں نہ... ماریہ میں نے عینی سے وعدہ کیا تھا، مجھے لگتا ہے اب اسے پورا کر دینا چاہیے۔"

"ک، ک، کون سا وعدہ؟" ماریہ نے ہڑبڑا کر پوچھا۔

"ذیمل اور مصطفی کی شادی کا۔ اب وقت آگیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ذیمل اور مصطفی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"مگر پھر بھی ہمایوں... ہمیں بچوں سے پوچھنا چاہیے۔" ماریہ نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ پھر پوچھ کر تیاری شروع کر دو۔"

بڑی دھوم دھام سے شادی کی تیاریاں شروع تھیں۔ شاپنگ کے لیے کبھی ماریہ اور ذیمل اور کبھی مصطفی اور ہمایوں جاتے۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر تھی۔ ملازم خوش تھے، کتنے عرصے بعد اس گھر میں خوشی آ رہی تھی۔ عینی بی بی کی وفات کے بعد یہ در و دیوار خوشیوں کے لیے ترس گئے تھے۔ عینی ہمایوں کی چھوٹی اور لاڈلی بہن تھی، مگر بہت جلد ہی خالقِ حقیقی سے جا ملی، اس وقت ذیمل صرف تین سال کی تھی۔ بہن کی جدائی اور چھوٹی کیوٹ سی معصوم بھانجی کی اداس شکل دیکھی نہ گئی۔ وہ اور ماریہ ذیمل کو واپسی پر اپنے ساتھ لیتے ہوئے آئے۔ مصطفی اس وقت پانچ سال کا تھا، وہ ذیمل کے ساتھ کھیلتا۔ اسے ماں باپ نے بچپن سے ہی ذیمل کے بارے میں بہت حساس کر دیا تھا۔ بہت جلد ذیمل یہاں ایڈجسٹ ہو گئی۔

ذیمل کے باپ اور ددھیال میں سے کسی نے ایک بار بھی ذیمل کی خبر نہ لی۔ ہمایوں اور ماریہ کو بہت دکھ ہوتا، مگر انھوں نے خود ذیمل کو اتنا پیار دیا کہ ذیمل کو کبھی اور رشتوں کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔ گھر بھر میں خوشیاں تھیں۔ مالکوں کی خوشی پر، ملازم خوش تھے۔ پر نجانے ان خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی، کس بد نظر کی نظر کھا گئی۔ گھر میں اب خوشیوں کی جگہ اداسی تھی، پریشانی تھی۔ ذیمل کا انکار اور ذیمل کی طبیعت بہت خراب تھی۔ ہمایوں اور ماریہ اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔

"آخر کیوں؟" مگر ذیمل مسلسل رونے کے ساتھ ساتھ انکار کر دیتی۔

"اچھا! نہ کرو تم یہ شادی، مگر اپنی صحت کو تو ٹھیک کرو۔" ہمایوں بھی اسے پیار سے سمجھاتا۔ شادی کی تاریخ آ کر گزر بھی گئی، مگر ذیمل ٹھیک نہ ہو پائی۔ اسے ڈاکٹروں سے چیک اپ کروایا، مگر ذیمل کو کوئی فرق نہ آیا۔ پورا گھر پریشان تھا، پورے گھر میں اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بُت بنی مریم کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی۔ پیار سے، غصے سے، ہر طریقے سے، مگر اس پتھر کے بت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"خدا کا واسطہ ہے ذیمل کچھ تو بولو۔ آخر کیا مسئلہ ہے مجھ سے شئیر تو کرو۔ دوست سمجھ کر نہ سہی کم از کم کزن سمجھ کر ہی کرو۔" وہ زِچ ہو گئی تھی۔ آج وہ پورے دس دن کے بعد کمرے سے باہر آئی تھی۔ آتے ہی مریم نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی آخر مسئلہ کیا ہے ذیمل کے ساتھ۔ جب وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے تو ڈاکٹر ذیمل کی بیماری کے بارے میں یہ کہہ کر انکار کر دیتا کہ "اِسے کوئی بیماری نہیں ہے۔" مگر ان لوگوں کو ذیمل پر یقین تھا، وہ کس طرح ڈاکٹر کی بات مان لیتے۔

ڈاکٹر کے مطابق "دیکھیں! ہمارے پاس جتنے پیشنٹس آئے ہیں، ان میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ سب بیمار ہوں، بعض حالات میں فرار کے لیے بھی اپنی ذات پر ایک خول سا چڑھا لیتے ہیں۔"

ہمایوں، مصطفی اور ماریہ کو ڈاکٹر کی بات بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی، مگر وہ یہ سب کچھ سننے کے لیے مجبور تھے۔ ایسے میں مریم کو آج ذیمل سے دو ٹوک بات کرنی تھی، اسے اعتماد میں لے کر تمام راز جاننے تھے۔

"میں پاگل نہیں ہوں مریم..." ٹوٹ ٹوٹ کر یہ الفاظ اس کے لبوں سے نکلے تو وہ چونک سی گئی۔

"ہاں، تم پاگل نہیں ہو۔" اس نے سوالیہ نظروں سے ذیمل کی طرف دیکھا؟

"اور نہ ہی میں نفسیاتی مریض ہوں۔"

ہاں! بولو، پھر کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔" مریم نے خفگی سے دیکھ کر کہا۔

وہ سسکیوں کے ساتھ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ تم مریم ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"مریم! اللہ کی قسم، میں سچ کہہ رہی ہوں۔" مریم نے اجڑی بکھری ذیمل کی طرف دیکھا، جو روتے ہوئے اسے یقین دلوا رہی تھی۔ مریم کو ایک دم اپنے رویہ پر شرمندگی ہونے لگی، تب ہی وہ پیار سے بولی:

"ذیمل! تم ہمیں بتاؤ تو سہی، شاید ہم تمہاری مدد کر سکیں۔"

"مریم...!"

"بولو ذیمل!"

"مریم، وہ تم مریم ہی ہو نا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھ پر ہنسو بعد میں۔"

"میں مریم ہی ہوں۔ شاباش بولو ذیمل۔"

"مریم! مجھے کوئی تنگ کرتا ہے، کبھی مصطفی کی شکل میں آ کر تو کبھی ماموں کی شکل میں، کبھی ممانی کی شکل میں۔ مریم! میں کئی راتوں سے سو نہ..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ (جاری ہے)

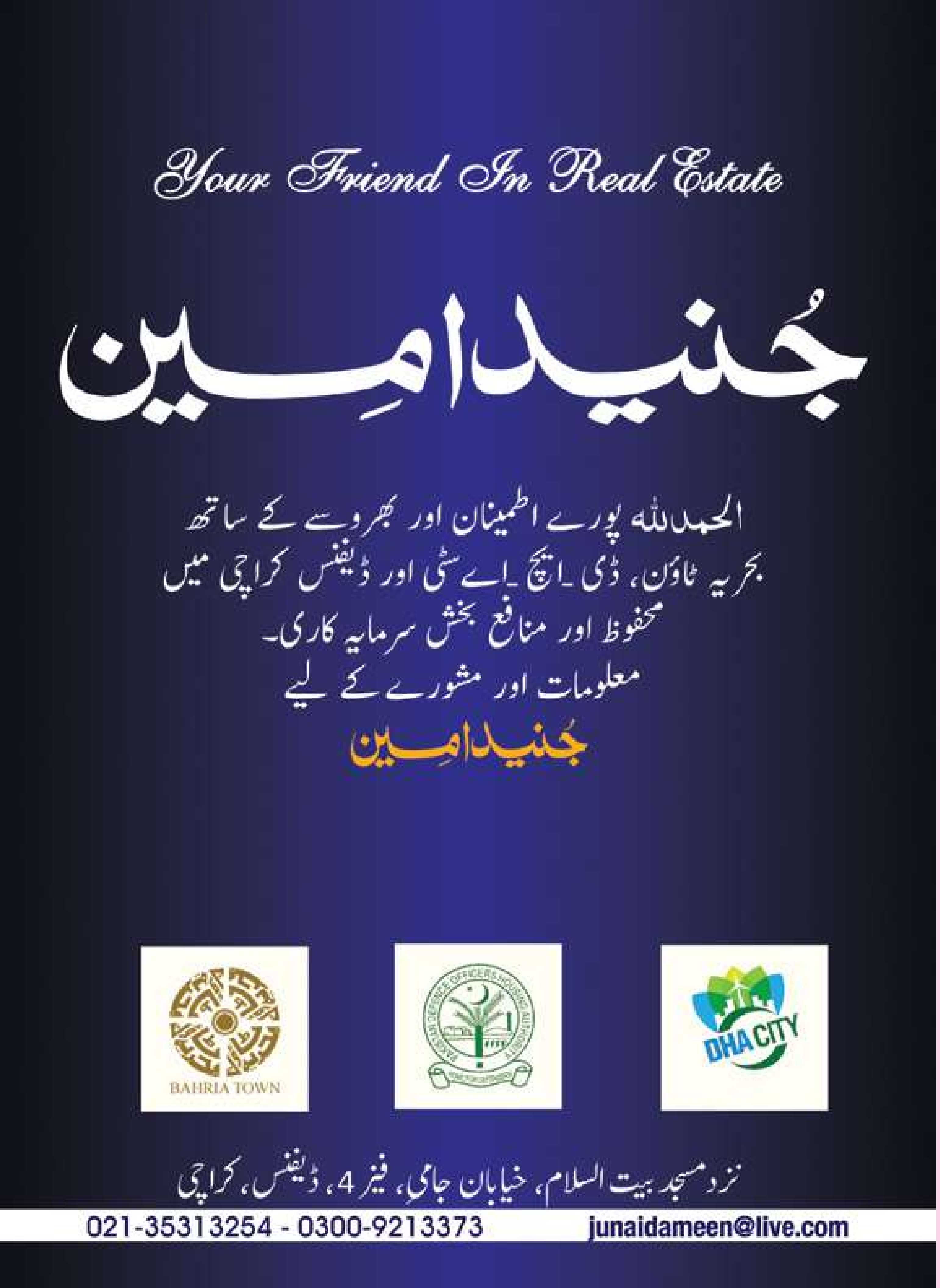

حضرت حُمیضہ بنتِ یاسر

اہلیہ محمد فیصل

حضرت حمیضہ بنتِ یاسر رحمۃ اللہ علیہا 165ھ میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد کا نام یاسر تھا۔والد ماجد نہایت متقی، پرہیز گار اور خوفِ الٰہی کا داعیہ رکھتے تھے۔اذان کی آواز کانوں میں پڑتے ہی دنیا کے مشاغل چھوڑ کر مسجد کا رخ کرتے۔فرمایا کرتے : ”جب اذان کی صورت میں اللہ کا بلاوا آ گیا تو اس کے مقابلے میں دنیا کے اہم سے اہم اور بڑے سے بڑے امور بھی ہیچ اور نا قابلِ اعتنا ہیں۔“

یاسر مصروف ترین شخص تھے، لیکن اس کے باوجود تہجد کا التزام ضرور کرتے تھے۔نیکی کا یہ دائرہ صرف حقوق اللہ تک ہی محدود نہ تھا، بل کہ حقوق العباد کا بھی خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے۔غربا کی امداد، بیواؤں کی دست گیری، مستحقین کا خیال غرض ہر وہ کام سر انجام دیتے تھے، جو لوگوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہوتا۔

حضرت حمیضہ رحمۃ اللہ علیہا نے اسی منوّر ماحول میں تربیت پائی اور والد کے علاوہ انھوں نے دادی (بسیرہ) میں بھی ایسی نیکی اور پرہیز گاری والے اوصاف دیکھے، جس نے ان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے۔ان کی دادی بھی نہایت عالی کردار اور لوگوں کی ہمدرد اور خیر خواہ تھیں۔ مظلوموں اور بے کسوں کی تکالیف اور دکھ درد میں شریک رہتی تھیں۔گاہے بہ گاہے تمام اوصاف حمیضہ رحمۃ اللہ علیہا کی ذات میں جمع ہوتے گئے اور وہ خیر کا پیکر بن گئیں۔

بچوں کے بارے میں کہا کرتی تھیں : ”بچے اس صورت میں بلند اخلاق اور صاف کردار کے مالک ہو سکتے ہیں، جب کہ شروع ہی سے ان کی بہتر تربیت کا اہتمام کیا جائے اور انھیں تعلیم دی جائے کہ کن چیزوں سے انھیں دامن کشاں رہنا چاہیے اور کن امور پر عمل کی دیواریں استوار کرنی چاہییں۔انھیں بڑوں کا احترام اور ان کی تکریم پر مضبوطی سے عمل پیرا کروانا چاہیے۔جب تک بچوں کو یومِ اوّل ہی سے بہتر راہ پر نہیں لگایا جائے گا اور نیکی اور برائی کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ کر ان کی ذہنی سطح کے مطابق دونوں میں فرق کی نوعیت کو واضح نہیں کیا جائے گا، تب تک ان کی تربیت کا اہتمام نہیں ہو سکتا۔“

حضرت حمیضہ رحمۃ اللہ علیہا بچوں کی تربیت کے متعلق انتہا درجے کا ظرف رکھتی تھیں۔بچوں کے سامنے غلط کام، سخت لہجہ، بے تکلفی اور نازیبا گفتگو کرنے سے حد درجہ احتراز کرنے کی نصیحت کیا کرتی تھیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہا فرماتیں : ”بچے کے سامنے اچھی اور حسنِ اخلاق سے تعلق رکھنے والی باتیں کرو، تا کہ اس میں بھی یہی داعیہ پیدا ہو اور وہ اچھائی کو بچپن ہی سے اپنا نصب العین ٹھہرا لے۔“

آپ رحمۃ اللہ علیہا معاملات کی نہایت صاف تھیں۔حقوق العباد ادا کرنے میں نہایت تیز تھیں۔کسی کو برائی میں مبتلا دیکھتیں تو اس کے لیے بارگاہِ الٰہی میں فوراً دعا کرتیں : ”اے اللہ! یہ شخص سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہے، اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھ، اسے برائیوں سے پاک کر دے اور اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما۔یہ تیرا عاجز بندہ ہے، اس کی برائیوں کو دیکھ کر اس کے بارے میں دِلوں میں نفرت اور حقارت کے جذبات کروٹ لیتے ہیں۔تُو اسے برائیوں اور ان کے لوازم سے دور رکھ اور اس کو اپنے مخلص بندوں میں شامل فرما۔“

حضرت حمیضہ بنتِ یاسر رحمۃ اللہ علیہا روایتِ حدیث کے باب میں بھی ممتاز تھیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہا کی دادی بھی راویہ حدیث کی روایت کرتی تھیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہا نے دادی سے اور بعض اور اصحابِ حدیث سے احادیث روایت کیں۔ابنِ حبّان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ان کی شادی ایک محدّث سے ہوئی، جن کا اسمِ گرامی عثمان تھا، وہ نہایت متقی اور پرہیز گار بزرگوں میں سے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہا کی وفات 220ھ کے بعد ہوئی۔اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اور ہم کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔آمین

عرباض نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ ”کون؟“ اندر سے آواز آئی۔

”یہ میں ہوں یاسر بھائی‘ دروازہ کھولیں۔“ عرباض بولا۔

”میں کون؟“ اندر سے دوبارہ پوچھا گیا۔

”ارے بھئی! میں ہوں۔ آپ نے میری آواز نہیں پہچانی؟“ عرباض نے قدرے جھنجلا کر کہا۔

”بھائی! اپنا نام بتادیں۔“ اندر سے کہا گیا۔

”میں‘ میں عرباض ہوں۔“ اس بار اس نے اپنا نام بتادیا۔

اب دروازہ کھل چکا تھا۔ عرباض کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ سلام دعا کے بعد عرباض یاسر سے شکایت کرنے لگا:

”عجیب ہو آپ! بلاتے بھی ہو‘ پھر دروازہ بھی نہیں کھولتے۔“

اس کے جواب میں یاسر نے کہا: ”آیئے بھائی! بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اندر آجائیں۔“

دراصل یاسر کے پڑوس میں نئی فیملی آئی تھی‘ جس میں اس کا ہم عمر عرباض بھی تھا۔ آپس میں سلام دعا ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن یاسر نے اپنی امی سے پوچھ کر عرباض کو گھر بلالیا۔ گھر میں آکر بیٹھتے ہی عرباض نے یاسر سے کہا: ”آپ نے دروازہ کھولنے میں بہت دیر لگادی۔“

یاسر مسکرا کر بولا: ”آپ نے اپنا نام ہی کب بتایا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ”میں“ کہنے سے مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کون آیا ہے‘ کیوں کہ ہر ایک ”میں“ ہی تو ہے‘ بل کہ مجھے آپ کے ”میں“ کہنے سے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ سننا چاہیں گے؟“ یاسر نے پوچھا۔

”جی جی‘ کیوں نہیں۔“ عرباض نے شوق اور کسی قدر حیرت سے کہا۔

”ایک آدمی نے دوسرے کو فون کیا۔ وہاں سے پوچھا گیا: کون بات کر رہا ہے تو اُس آدمی نے کہا: ”میں“ بول رہا ہوں۔ یہ سن کر دوسرے آدمی نے کہا: کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں سے بھی ”میں“ ہی بول رہا ہوں۔“ لطیفہ سن کر عرباض ہنس پڑا۔ ”اور ویسے بھی ”میں“ کہنے میں تو سب کی آواز تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے۔“ بکری کی آواز بھی ”میں“ ہی ہوتی ہے۔“ یاسر نے مذاقاً کہا تو عرباض شرما گیا۔ ”دیکھو بھائی! ہمارے دین نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب کوئی دروازہ کھٹکھٹائے اور گھر کے اندر سے پوچھا جائے کہ کون؟ تو اس کے جواب میں اپنا نام بتانا چاہیے‘ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں۔ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے دروازے پر دستک دی۔ جب اندر سے پوچھا گیا: ”کون؟“ تو ان صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ”میں۔“ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں‘ میں۔“ گویا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے لفظ ”میں“ کے استعمال کو برا محسوس کیا۔ (بخاری شریف) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی پوچھا جائے تو ”میں“ کہنے کے بجائے اپنا نام بتایا جائے۔“

”بھئی واہ! یہ تو بہت ہی اچھی بات معلوم ہوگئی۔“ عرباض نے خوش ہو کر کہا۔

”بھائی! صرف معلوم ہونا کافی نہیں ہے‘ بل کہ اس پر عمل بھی کرنا ہے۔“

یاسر نے کہا تو عرباض بولا: ”جی‘ ضرور۔ آیندہ میں اس کا خیال رکھوں گا اور اپنے دوستوں کو بھی بتاؤں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

”بہت خوب‘ یہ ہوئی نا بات۔“ یہ کہہ کر یاسر اٹھا اور کچھ ہی دیر بعد ایک ٹرے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آیا۔ وہ دونوں بسم اللہ پڑھ کر شروع ہوگئے۔

ماڑی پور میں بہت سے ماہی گیر رہتے تھے۔ ان ماہی گیروں میں ایک ماجد نام کا ایک مچھیرا بھی تھا۔ لوگ اسے ”مکو“ کہتے تھے۔ مکو کا مکان کچا تھا۔ رات کو یہاں مچھر بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ مکو مچھلی اور چاول بہت شوق سے کھاتا تھا۔ مکو کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ”مریم“ تھا۔ مکو اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا۔ مکو نے اسے ایک میاں مٹھو (طوطا) لاکر دیا تھا جو مرچیں کھاتا تھا۔ مریم کے پاس موم کی ایک گڑیا تھی جس سے وہ کھیلتی تھی۔ اس کے گھر کے قریب ہی ایک باغ تھا۔ جب مریم اس باغ میں جاتی تو وہاں چنبیلی کے پودوں پر سے شہد کی مکھی بِھن بِھن کرتی اس کے پاس آتی اور اس سے کہتی: ”کہو مریم! مجھ سے کھیلو گی؟ آج تو موسم بھی اچھا ہے۔“ مریم کے ہاں کہنے پر وہ مکھی اِدھر اُدھر اُڑتی اور مریم اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتی۔ مریم اور مکھی کا کھیل مالٹے کے درخت کی شاخوں کے بیچ جالا بُنتے ہوئے مکڑی جو دیکھتی تو وہ جالا چھوڑ کر اُن کے پاس آجاتی اور ان سے کہتی: ”آہا مریم! آج تو میں بھی کھیلوں گی۔ مجھے تمہارے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے۔“ یہ کہہ کر مکڑی اپنے منہ سے تھوک نکالتی اور ایک لمبا سا دھاگہ بن جاتا۔ پھر مکڑی اس پر لٹکتی اور جھولتی۔ مریم اور مکھی اس کے ساتھ ساتھ گھومتیں۔ اگر مکڑی کسی پتے یا شاخ پر پھنس جاتی تو مکھی اور مریم اس کو نکلنے میں اس کی مدد کرتیں۔ آم کے پیڑ کے نیچے ٹَرٹَر ٹَر کرتا مینڈک جو ان تینوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتا تو مسکرا دیتا۔ پھر وہ اپنی سُرخ سُرخ آنکھیں گھماتا اور کہتا: ”میری طرح کوئی کُود کر دکھائے تو جانوں۔“ یہ سن کر مریم مینڈک کی طرح چھلانگیں لگاتی اور کبھی مور کی طرح چلتی۔ مکڑی اور مکھی اس کے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوتیں۔ رات مکو کو مریم روزانہ اپنی باتیں بتاتی۔ مکو اور مریم کی ماں مریم کی باتیں سُن کر بہت ہنستے۔

کئی دنوں سے مکو بہت پریشان تھا۔ وہ سارا سارا دن کشتی میں بیٹھا سمندر میں جال ڈالے رہتا مگر جال میں کوئی مچھلی نہیں پھنستی۔ آخر کار وہ ایک روز بالکل مایوس ہوگیا۔ وہ تھک ہار کر اپنے گھر واپس جارہا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے آخری بار پھر اپنی کشتی بیچ سمندر میں لے جاکر جال پھر سے سمندر میں ڈالا۔ اس بار اس کے جال میں ایک پیاری سی ننھی منّی مچھلی پھنسی۔ وہ مچھلی تڑپ رہی تھی۔ شاید اسے اپنی ماں کی یاد آرہی تھی۔ مچھیرے مکو کو اس پر ترس آگیا۔ اس نے وہ چھوٹی سی مچھلی واپس سمندر میں ڈال دی۔ تھوڑی ہی دیر میں پانی کی ایک بڑی سی لہر اٹھی اور ایک بڑی اور موٹی سی مچھلی نے پانی میں سے اپنا سر باہر نکالا اور مکو مچھیرے کا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا: ”تم ایک اچھے انسان ہو جس نے ایک بچی کو اپنی ماں سے ملوا دیا۔ تم پھر سے جال سمندر میں پھینکو۔ ہم تمہیں انعام دیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ مچھلی واپس سمندر میں چلی گئی۔ اب جیسے ہی مچھیرے نے جال سمندر میں پھینکا تو اس میں ایک موٹی سی سرمئی رنگ کی مچھلی آئی۔ مچھلی دیکھ کر مکو دھیرے سے مسکرادیا اور اپنے دل میں بولا: ”بھلا مچھلی کے بدلے مچھلی؟ یہ کیسا انعام ہے۔“ یہ سوچ کر وہ اداس ہو کر اپنے گھر واپس آگیا اور اپنی بیوی کو وہ مچھلی پکانے کے لیے دی۔ اس کی بیوی نے جیسے ہی چاقو سے اس مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے سونے کے پانچ سکّے نکلے۔ یہ دیکھ کر مچھیرا اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے یہ سکّے بازار میں سنار کے پاس لے جاکر بیچ دیے۔ ان سکوں کے بیچنے سے ان کو بہت سارے پیسے ملے۔ ان پیسوں سے انھوں نے اپنی بیٹی مریم کے لیے نئے کپڑے اور کھلونے خریدے اور اس کے علاوہ مکو نے مکان بھی پکی اینٹوں کا خرید لیا اور اپنے لیے نئی کشتی بھی خریدی۔ اس کی نئی کشتی کو دیکھ کر سارے ماہی گیر حیران تھے۔ نیکی کا مکو کو بہت ہی اچھا صلہ ملا۔

ماڑی پور	کراچی میں ایک جگہ کا نام	ماہی گیر	مچھیرا
مٹھو	طوطا	مکان	گھر
مالٹے	موسمّی‘ کینو		

حسین موسم میں حسین نیکی

محمد عثمان متعلم درجہ ثالثہ جامعہ بیت السلام

”بھائی جان! آپ کہاں ہیں؟ بھائی آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟“

معاویہ جو کہ چھوٹا بھائی تھا' وہ اپنے بڑے بھائی علی کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ اتنے میں وہ دوسری چھت سے نیچے اترا تو اپنے بڑے بھائی علی کو صحن میں کھڑا دیکھ کر اس کی طرف دوڑ کر چلا گیا۔

معاویہ: ”بھائی جان! آپ کہاں گم ہیں؟ پورے دس منٹ سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں؟“

علی: ”کیوں بھائی! خیریت تو ہے نا؟“

معاویہ: ”بھائی جان! دیکھو! کتنا حسین موسم ہے' بارش ہی بارش برس رہی ہے' کیا خیال ہے کسی بڑے ہوٹل پر کھانا کھایا جائے؟“

علی نے خاموشی سے اپنی آنکھیں بارش کے پانی سے ہٹا کر اپنے ننھے بھائی کی طرف موڑی اور پھر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

معاویہ: ”بھائی جان! آپ کی طبیعت خراب ہے کیا؟ یا پیسے نہیں ہیں؟“

علی: ”چھوٹے! یہ بتاؤ کہ کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟“

معاویہ: ”کچھ زیادہ نہیں' 3 ہزار کم از کم۔“

علی: ”ٹھیک ہے' دیکھو میرے چھوٹے! مسلسل 2 دن سے تیز رفتار بارش ہو رہی ہے۔ ہم تو گھر میں چھت تلے مزے اڑا رہے ہیں' لیکن اس بارش سے کتنے گھر لوگوں کے خراب ہو چکے ہیں' کتنے لوگوں کے کاروبار رک گئے ہیں۔ قریب میں جو فرہاد چچا ہیں' پورے 3 دنوں سے ایک روپیہ نہیں کمایا انھوں نے' ان کے گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ پیسے 3 ہزار اگر ہم ان کو دے دیں تو ان کا اس سے ضرور گزارہ ہو جائے گا' تمہاری کیا رائے ہے؟“

معاویہ: ”جی بھائی! میں نے تو کبھی ایسا سوچا نہیں تھا اور میں تو سمجھ رہا تھا کہ بارش کا بہت فائدہ ہو رہا ہے' حالاں کہ اپنے پڑوسی کے گھر میں 3 دن سے کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ بھائی جان! میری رائے بھی یہی ہے کہ اپنے پڑوسی کو یہ پیسے دے دیتے ہیں۔“

علی: ”بہت خوب... میرے ننھے بھائی! چلو خود چل کر ان کے گھر پیسے دے آتے ہیں۔“

با ادب با نصیب

محمد بن آفتاب منیر
درجہ تجوید جامعہ بیت السلام

ہمارے ایک استاد ہیں' جو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے استاد کا ادب کرے تو وہ کامیاب ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ ہمیں ایک قصہ سنایا کہ ”ایک طالبِ علم نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”استاد جی! جب آئیں گے تو میں ان کو سبق نہیں پڑھانے دوں گا۔“ جب استاد جی درس گاہ میں تشریف لائے تو اس طالبِ علم نے کہا: ”استاد جی! آپ سے کل کے سبق کے بارے میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔“ انھوں نے کہا: ”پوچھو۔“ اس نے سوال بتا دیا' پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور سوال کیا... اسی طرح بار بار سوالات کرتا رہا' آخر کار استاد جی درس گاہ سے چلے گئے۔ کافی سال بیت جانے کے بعد اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ طالبِ علم ایک بنگلے کا چوکی دار بن گیا تھا۔“ اسی لیے کبھی بھی استادوں کی بے ادبی یا انھیں تنگ نہیں کرنا چاہیے...!!

عقلمند خادم

زبیر عظیم متعلم
درجہ ثانیہ جامعہ بیت السلام

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کا ایک خادم تھا' جو بڑا عقلمند' ہوشیار اور سمجھ دار تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ نے دعوت کی' جس میں بڑے بڑے وزرا حاضر ہوئے' جب دستر خوان بچھایا گیا تو یہ خادم بڑے تھال میں سالن لے کر آ رہا تھا' لیکن بادشاہ کے دبدبے اور وزرا کے رعب کی وجہ سے تھوڑا سا سالن بادشاہ کے کپڑوں پر گر گیا۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی خادم کے قتل کا حکم صادر کر دیا' جب خادم نے یہ سنا تو پورا تھال بادشاہ پر الٹ دیا۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا: ”یہ کیا حرکت کی گستاخ!“ تو خادم نے کہا: ”حضور! یہ میں نے اس لیے کیا کہ لوگوں کی نظر میں آپ ظالم ہونے سے بچ جائیں گے' کیوں کہ لوگ کہیں گے کہ ایک خادم کی اتنی چھوٹی سی غلطی پر بادشاہ سلامت نے اس کو اتنی بڑی سزا دے دی۔“ بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو اسے معاف کر دیا۔

اللہ کو راضی کرنا

پیارے پیارے بچو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟؟

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا: ایمان کیا چیز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اخلاص یعنی ہر کام خالص اللہ کی رضا کے لیے کرنا۔

کام چاہے دینی ہو یا دُنیاوی' مقصود صرف اللہ کو راضی کرنا ہو۔

ایک حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے' بل کہ تمہارے دِلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

تو پھر پیارے بچو۔۔۔ کرتے ہیں نا ارادہ!!!

کہ ہم ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کریں گے۔

اگر کبھی شیطان کہے کہ کسی کو دِکھانے کے لیے کام کرتے ہیں

تو فوراً سے استغفار کر لیں گے۔

ماہنامہ فہم دین فروری کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: لائبہ گرمیوں میں کیا شوق سے پیتی ہے؟

سوال نمبر 2: امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کے گھر میں کیا دیکھا؟

سوال نمبر 3: غزوہ اُحد میں آپ ﷺ کس صحابی کی کمر پر پاؤں رکھ کے گڑھے سے باہر نکلے؟

سوال نمبر 4: حضور اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان کیا سرخ چیز تھی؟

سوال نمبر 5: آپ ﷺ کو جب کسی کا نام معلوم نہ ہوتا تو کیا کہہ کر بُلاتے؟

دسمبر کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: بسم اللہ کی تعظیم کی وجہ سے۔

سوال نمبر 2: انگریزی

سوال نمبر 3: حواری

سوال نمبر 4: حضرت حمزہؓ

سوال نمبر 5: اپنی جھوٹی تعریف پر اترانے کی وجہ سے۔

دسمبر کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1... محمد حسان حیدر' 13 سال' حفظ' بیت السلام تلہ گنگ

2... جویریہ زر' پنجم' 10 سال' کراچی

3... سیف الرحمان کاغانی' حفظ' 11 سال' کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام' عمر' کلاس' ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھے گا' ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں'

یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

درست جواب دینے والے ساتھیوں کے نام

- فاطمہ' پنجم' 10 سال' کراچی
- داؤد آفتاب احمد' حفظ' 11 سال' کراچی
- حذیفہ نذیر' 12 سال' جھنگ
- احمد اللہ' کراچی
- محمد حنین' میٹرک' 16 سال' بیت السلام تلہ گنگ

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں' ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے' تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں' پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل' دوم' سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

ابنِ تبسّم

محترم قارئین! آج تو موج تبسّم کا سلسلہ سوزِ تبسّم بن چکا ہے۔ جنوری کے موج تبسّم کو لکھے چند دن ہی گزرے کہ فروری کا مطالبہ شروع ہو چکا ہے... ہم نے فہمِ دین کے دفتر میں مدیر کی کرسی پر براجمان واقعی مدیرِ فہمِ دین سے درخواست کی کہ آپ ہمیں اپنی کسی شرارت یا شوخی سے آگاہ کریں، تاکہ مسکرانے کا کچھ سامان ہو جائے... مگر مدیر صاحب نے آنکھیں دکھاتے ہوئے فرمایا: کسی کو ہنسانا تو بہت ہی مشکل کام ہے... اور قارئین اس کے ساتھ ہی سعود عثمانی کا ایک شعر (قدرے تبدیلی کے بعد) زبان پر مچلنے لگا...

کتنی آساں ہے تبسّم کی تلقین
کتنا مشکل ہے دل پہ سِل رکھنا

حنظلہ تقی حیدرآباد سے لکھتے ہیں... پہلے جب بچے اپنی والدہ کی بات نہیں مانتے تھے تو وہ انھیں ابا کو شکایت لگانے کا کہتی تھیں اور اب بچہ جب ضدی ہونے لگتا ہے تو معلوم ہے کیا دھمکی لگتی ہے...؟؟ میری بات مان لو... ورنہ دیکھ... کمپیوٹر کا پاسوَرڈ تبدیل کر دوں گی...!!

مدّثر معراج سرجانی سے لکھتے ہیں: ملّا دوپیازہ کے گھر بن بلائے مہمان آگئے۔ ملّا دوپیازہ نے خوب آؤ بھگت کی اور ان کے جوتے بازار میں بیچ کر دعوت کا انتظام کر دیا۔ جب مہمان کھانا کھا کر جانے لگے تو جوتے غائب پائے۔ جب پوچھا تو ملّا دوپیازہ نے جواب دیا: آپ کے جوتے... آپ کے پیٹ میں چلے گئے!!

حمزہ زاہد ساہیوال سے لکھتے ہیں: ایک دن مَیں مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ جماعت کھڑی تھی۔ اِک صاحب کے پیچھے کرسی رکھی تھی، دراصل وہ رکوع اور سجدہ بیٹھ کر کرتے تھے۔ مجھے اس بات کا علم نہ تھا اور میں نے وہ کرسی اٹھا کر کسی اور جگہ رکھ دی۔ بس... پھر مت پوچھیے کہ کیا ہوا...؟؟ البتہ نماز کے بعد ان صاحب نے میری خوب دھلائی کی۔

عطاء الرحمن گلشنِ حدید سے لکھتے ہیں: گھر کے باورچی خانے میں کھانا پکانے کا تیل (پکوان آئل) ایک برتن میں رکھا ہوا تھا۔ برتن کو ہاتھ لگا اور وہ نیچے گر گیا۔ مجھے امی کی ڈانٹ کا خوف محسوس ہوا تو اس سے بچنے کے لیے ایک ترکیب سوجھی... چھوٹے بھائیوں کو آواز دی۔ وہ آئے... اُن سے کہا: جلدی جلدی یہ ”سرسوں کا تیل“ اپنے سر پر لگا دو۔ جب لگا چکے تو تب جا کے انھیں پتا چلا کہ یہ تو پکوان آئل ہے... بس!! پھر امی سے تو بچ گئے، مگر بھائیوں نے خوب مرمت کی۔

The Burger Shack

AMAZING DEALS

DEAL 1
1 SHACK ORIGINAL
1 JALAPENO CRUNCH
1 ONION RING
1 FRIES
2 DRINKS
Rs. 600

DEAL 2
1 SHACK ORIGINAL
1 FULLHOUSE
1 JALAPENO CRUNCH
1 CLASSIC CRUNCH
1.5 ltr DRINK
Rs. 960

*Inclusive of all taxes.

FREE DELIVERY TO FORUM OFFICES
+92 316 2129696

Khayaban-e-Seher,DHA | Shaheed-e-millat
Zamzama | The Forum Mall | Lucky One Mall

www.burgershack.org

شرم و حیا کے پھول

جوہر عباد

دیکھو کبھی مرجھائیں نہ شرم و حیا کے پھول
تازہ رہیں تا عمر تمہاری رِدا کے پھول

صورت سے زیادہ دینا ہے سیرت پہ توجہ
کردار اور اخلاق کے رکھنا مِلا کے پھول

صبر و قناعت ، عزم اور ہمت سے لینا کام
دامن میں بھرتے جائیں گے رب کی رضا کے پھول

اپنی حفاظت آپ کرو نفس کے خلاف
رکھو سدا سنبھال کے اپنی اَنا کے پھول

شرم و حیا، تہذیب و ادب اور احترام
کردار کو بنانا ہے، یہ ہی سجا کے پھول

کرنا ہے والدین کی تکریم و اطاعت
ہر دم رہیں گے ساتھ تمہارے دعا کے پھول

بابا کی لاڈلی ہو تم، بھیّا کی جان ہو
رکھو تم اُن کے پیار کے دل سے لگا کے پھول

بیوی وبہن، بیٹی کے ہو روپ میں عزّت
رکھنا ہمیشہ تازہ تم اپنی وفا کے پھول

کفّار و مشرکین کی تقلید سے بچو
کھلائیں نہ دیکھو زمانے کی ہوا سے پھول

ہے ویلنٹائن ڈے تو اِک فتنۂ فرنگی
ملتے ہیں جس میں بیشتر کانٹے چھپا کے پھول

خوفِ خدا، حبّ نبی ﷺ سے دِل کرو معمور
روزِ حشر ملیں گے پھر جوہرؔ جزا کے پھول

مری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں

دُختر اسلام کے لیے

نہیں ان کو ادراک خود بھی ،وہ کیا ہیں
.برائی سے بچنے کا اک راستہ ہیں
.بڑی نیک سیرت ہیں اور پارسا ہیں
جو سچ پوچھیے تو خدا کی عطا ہیں
مری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں

اگر ان کو نرمی سے سمجھائے کوئی
گھر ، گر نصیحت کے بکھرائے کوئی
مسائل شریعت کے بتلائے کوئی
اطاعت کا پیکر ،بحکمِ خدا ہیں
مری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں

نقاب اپنے سر سے نہ سرکائیں ہرگز
نہ رخ غیر محرم کو دکھلائیں ہرگز
اگر منع کردو ، نہیں جائیں ہرگز
چراغِ مروت ہیں ، اہلِ وفا ہیں
مری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں

اگر پاک و صاف ،گھر کی فضا ہے
بنی تربیت کی یہی تو بنا ہے
کہ بچوں کا اول یہی مدرسہ ہے
سو بچوں کے حق میں وہی رہنما ہیں
مری مائیں بہنیں سراپا حیا ہیں

اثر جونپوری

صبر و رضا کی پتلی

عورت نے گھر چھوڑ دیا
عہدِ وفا کو توڑ دیا
صبر و رضا کی پُتلی نے
صبر کا دامن چھوڑ دیا
کھاٹ میں لیٹا بچہ پوچھے
ماں کی نرم آغوش کہاں
جنت کی خوش بُو میں بسا
بستر جیسا دوش کہاں
خواہش پیسہ کمانے کی
دفتر تک لے آئی ہے
حرص و طمع کی سبقت نے
کیسی قیامت ڈھائی ہے
اس کے تقدّس کا شیشہ
بھوکی نظر نے توڑ دیا
عورت نے گھر چھوڑ دیا
عہدِ وفا کو توڑ دیا
گم راہی نے سب اِس کا
حسن، شباب نچوڑ دیا
یہ اَن جانی منزل پر
غفلت میں آ پہنچی ہے
گھر کا اِک چراغ تھی
جو محفل میں جا پہنچی ہے
عورت نے گھر چھوڑ دیا
عہدِ وفا کو توڑ دیا

PUE

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

**Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases**

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

حمدِ باری تعالیٰ

زمین بھی تیری اور آسماں بھی تیرا ہے
یہ فصلِ گل بھی تِری، گلستان بھی تیرا ہے
عَدَم، وجود، یقین اور گماں بھی تیرا ہے
فضائے اَرض و سما، لامکاں بھی تیرا ہے
یہ چاندنی کی فضا یہ جگنوؤں کی چمک
اندھیری رات میں روشن سماں بھی تیرا ہے
مفرّ کہیں بھی نہیں ہے وجود سے تیرے
تیرا وجود یہاں بھی، وہاں بھی تیرا ہے
کہیں یقین کی صورت، کہیں گماں کی طرح
امید و بیم کا سارا جہاں بھی تیرا ہے
کہیں شمیم کے جھونکے، کہیں پہ صَرصَر ہے
بھری بہار میں، دورِ خزاں بھی تیرا ہے
زباں سے ہوتا ہے صدیقؔ کی ادا، لیکن
خیال تیرا ہے، حرفِ بیاں بھی تیرا ہے

صدیقؔ فتح پوری

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

خلوتوں میں بھی عجب انجمن آرائی ہے
بند ہے آنکھ، مگر تیری تماشائی ہے
کیسی لَو شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لگا رکھی ہے
نہ غمِ زِیست نہ مجھ کو غمِ تنہائی ہے
جالیوں پر یوں ہی رکھ دی ہیں یہ روشن آنکھیں
خواب میں دوش پہ کملی جو نظر آئی ہے
شہِ لولاک تِری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دید کا منظر دیکھوں
دھڑکنیں تیز ہیں اور آنکھ تمنائی ہے
شوق سے اور دُرود، اور دُرود، اور پڑھو
سرمدی کیف سے لبریز ہَوا آئی ہے
میں قبا چاک ہوں مجھ پر بھی نظر شاہِ اُمم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہی حاصل ہے یہی میری پذیرائی ہے
دل میں تمہیدؔ ستارے سے اُترتے دیکھوں
زندگی کیا ہے غمِ درد کی پروائی ہے

تمہید الاسلام تمہیدؔ

گلدستہ

بُردباری کا ایک عجیب واقعہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں: ایک نو مسلم طالب علم کی تمام ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی تھی، وہ طالبِ علم کچھ عجیب طبیعت کے واقع ہوئے تھے، جب ان کے جی میں آتا عین مجلس میں آکر ایسی باتیں حضرت والاؒ سے کہہ دیتے، جو سننے والوں کو گستاخانہ معلوم ہوتیں، دکان والوں سے قرض کر لیتے اور پھر آکر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہییے۔

ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ ”ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں بنوا دیجیے۔“ حضرت نے فرمایا کہ ” ابھی تو لے کر دیے تھے، تھوڑے ٹوٹے ہوں گے، مرمت کر وادی جائے گی۔“ انھوں نے کہا: ”معلوم نہیں، آپ دیکھ لیجیے۔“ آپ نے فرمایا: ”لاؤ، دیکھ لوں۔“ اس پر انھوں نے کہا: ”وہ رہے باہر، آپ دیکھ لیجیے۔“ ان کے اس جواب پر حضرت والا مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں بہت سے جوتے رکھے ہوئے تھے، چوں کہ آپ کو ان کے جوتے کی پہچان نہیں تھی، اس لیے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے کہ ”یہ تمہارے جوتے ہیں؟“ اور وہ صاحب اندر ہی اندر سے انکار کرتے رہے، بالآخر جب دیر گزر گئی تو حاضرین میں سے کسی صاحب نے ان سے کہا کہ ”تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا، آگے بڑھ کے دکھلا دو۔“ اس پر انھوں نے اپنے جوتے دکھائے اور حضرتؒ نے مرمت کے لیے پیسے دے دیے۔ کسی نے حضرتؒ سے ان صاحب کے بارے میں عرض کیا کہ ”یہ صاحب! ایسی بے تُکی باتیں کرتے رہتے ہیں۔“ اس پر حضرتؒ نے فرمایا: ”بھائی! حضرت تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو، جس سے میں اپنے آپ کو سنبھالتا رہوں اور میری اصلاح ہوتی رہے۔ (اصلاحی خطبات)

پاکستان کی حفاظت

میں ان لوگوں میں سے نہیں جو صدا دیتے پھریں کہ میں توشۂ وفاداری لیے پھرتا ہوں، میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کردو، ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں، میری خوشی بے کراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں بھی سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو۔ میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔ اب پاکستان نے جب بھی پکارا واللہ 'باللہ' میں اس کے ذرّے ذرّے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے، جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں، اس طرف اگر کسی نے آنکھ اٹھائی تو پھوڑ دی جائے گی، کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں اور نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اور اب بھی تمہارا ہے۔

(خطبات عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

آپ کے اشعار

ہے کوئی لاوا اُگلتا پِھرتا کہ آدمی ہے نئے جہاں کا نظر میں
شعلے مچل رہے ہیں، جَبِیں پہ وَحشت تڑپ رہی ہے!
ساغرؔ صدّیقی

نادانیاں ہزار سہی، دوستو مگر
دانا بھی ہوگئے اِنھیں نادانیوں کے ساتھ!
محمد علی جوہرؔ

ہاں سچ ہے کہ اتنی بِھی تعلّی نہ رَوا تھی
مولا! یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دَوا تھی!
محمد علی جوہرؔ

کس کس پہ زمانے نے جَفا کی نہیں صاحب!
اَچّھوں سے بھی اِس نے وَفا کی نہیں صاحب!
محمد علی جوہرؔ

یہ شہر، شہرِ بخَیلاں ہے، اے دِلِ بیمار
یہاں تو زہر بھی ملتا نہیں دَوا کے لیے!
رئیسؔ امروہی

باتہذیب انسان کی 8 خوبیاں

1۔ باتہذیب انسان ہمیشہ ہر انسان کا احترام کرتے ہیں، ہمیشہ نرم دل، شائستہ اور دوسروں سے بھلائی کرنے کو تیار رہتے ہیں، وہ ہتھوڑا یا کنگھی جیسی چیز گم ہونے پر نہیں چِلاتے، اگر وہ کسی کے ساتھ رہتے ہیں تو احسان نہیں جتاتے، نہ بچھڑنے پر یہ کہتے ہیں کہ ”تمہارے ساتھ رہنا ہی کون چاہتا ہے، وہ شور، ٹھنڈا، گرم یا مذاق بھول جاتے ہیں اور مہمان کے گھر آنے پر ناک نہیں سُکیڑتے۔

2۔ ان کے جذبات محض غریب، بھکاری یا بیمار بلی کے لیے نہیں جاگتے، بل کہ وہ اس شے کے لیے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں، جنہیں آنکھیں نہیں دیکھ سکتی، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا کوئی دوست یونیورسٹی کی فیس ادا نہیں کر سکا۔

3۔ وہ دوسروں کے مال کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی واجب الادا رقم ادا کرتے ہیں۔

4۔ وہ آگ کی مانند مخلص ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے جھوٹ نہیں بولتے، جھوٹ سننے والے کے لیے توہین آمیز ہے اور اسے بولنے والے کے آگے جھوٹا کر دیتا ہے، وہ دکھاوا نہیں کرتے اور گلی، بازار میں بھی لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، گھر کی طرح ہوتا ہے، وہ مخلص دوستوں کے سامنے بڑا ہانکنے، بک بک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور دوسروں کے احترام میں بولنے سے زیادہ سننے کو فوقیت دیتے ہیں۔

5۔ وہ نہایت ہمدرد ثابت ہوتے ہیں، وہ کسی کے جذبات سے نہیں کھیلا کرتے، وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ مجھے غلط سمجھا گیا یا ثانویت دی گئی، کیوں کہ یہ نچلے حصے کا کام ہے۔

6۔ وہ اپنے ہنر کی قدر کرتے ہیں اور اسے شراب یا شباب کے عوض نہیں بیچتے، انھیں اپنے ہنر پر فخر ہوتا ہے، چاہے اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

7۔ وہ اپنے جمالیاتی محسوسات کو پختہ کرتے ہیں، وہ نفسی حِس پر قابو پانے کی کوشش میں عورت کو کوئی سفلی شے نہیں، بل کہ ہم سفر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ صحت مند جسم و ذہن کی چاہ رکھتے ہیں۔

8۔ ان کے اندر تھوڑا سا بھی غرور نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے نقلی جواہرات کی قدر کہ فلاں مشہور شخص میرا دوست ہے یا آرٹ شو میں کسی سے ہاتھ ملانے کی آرزو کرتے ہیں اور اگر وہ ٹکے برابر کوئی کام کرتے ہیں تو احسان نہیں جتلاتے اور نہ اس جگہ داخل ہونے پر اِتراتے ہیں، جہاں دوسروں کا داخلہ ممنوع ہو، وہ ہجوم میں ذاتی شناخت کو پنہاں رکھتے ہیں اور مشہوری نہیں کرواتے جیسے کہ لوف نے کہا تھا ”تھوتھا چنا باجے گھنا“ یعنی کمینہ اور نالائق آدمی بہت شیخی مارتا ہے۔

(مرسلہ: اریبہ محمود، نوکوٹ)

باتیں آپ کی

خط : السلام علیکم ! ستمبر 2017 کے شمارے کا سرورق بہت پسند آیا۔ فہمِ دین کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں دین کی باتیں، گھریلو ٹوٹکے اور بچوں کی کہانیاں سب ایک ساتھ پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ فہمِ دین بہت اچھا ہے، مگر مختصر ہے، اس لیے میری رائے ہے کہ اسے تھوڑا طویل کرنا چاہیے۔ ایک تحریر شائع کروانا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ آپ شائع کر کے میری ہمت اور حوصلہ باندھیں گے۔ مرسلہ : کرن، کراچی

جواب : جی آپ قارئین کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ''تھوڑا تھوڑا'' طویل کرتے کرتے اب تک اٹھارہ صفحات زیادہ ہو چکے ہیں۔ ابھی دسمبر سے ہی تو چار صفحات زیادہ کیے ہیں۔ باقی آپ تحریر بھیجیں، اگر ہماری ''ہمت'' کا امتحان نہ ہوا تو آپ کی ''ہمت'' ضرور بڑھائیں گے

خط : مارچ 2017 کا فہمِ دین اپنے ٹائٹل کے ساتھ بہت خوب صورت لگا۔ باورچی خانہ اور ہماری صحت کا سلسلہ بہت اچھا لگتا ہے۔ بچوں کے فن پارے بھی میں بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ بچوں کی مختصر کہانیاں بھی شامل کر دیں تو بہت بہتر رہے گا۔ والسلام مرسلہ : مائدہ کشف، کراچی

جواب : مائدہ ! بہت شکریہ ! آپ نے بہتری کی طرف توجہ دِلائی۔ آپ ''ننھے ادیب'' کا صفحہ ضرور دیکھیے گا۔ وہ بچوں کی دِل چسپ کہانیوں پر مشتمل ہوتا ہے

واٹس اپ : السلام علیکم ! ہم جناب مدیر صاحب اور ادارہ فہمِ دین کے تہہ دِل سے شکر گزار ہیں کہ ماہ نامہ فہمِ دین نے قارئین کو نئے سال کا بہترین تحفہ ''نئی سوچ'' عطا کی ہے اور امید ہے کہ قارئین اس نئی سوچ پر عمل پیرا ہو کر مستفید ضرور ہوں گے۔ جی میں ''قومی زبان۔۔۔ خصوصی اشاعت'' کا تذکرہ کر رہی ہوں۔ سب سے پہلے ندیم تابانی کی تحریر ''بے چاری اردو'' نے دِل و دماغ پر اثر کیا۔ پھر ''بیگماتی زبان'' کی چاشنی سے لطف اندوز ہوئے۔ ''میلہ''، ''جو کی فیرنی'' اور ''مکس چٹنی'' نے رسالے کو چٹ پٹا بنا دیا۔ اس کے ساتھ آسیہ عمران نے جو ''امید کا دیا'' روشن کیا ہے، اللہ سے امید ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے دیے جلانے میں ہم اپنا اپنا کردار ضرور ادا کریں گے اور وہ دِن دور نہیں کہ اسلامی تہذیب کا سورج پاکستان، بل کہ دُنیا بھر میں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو گا۔ مرسلہ : کائنات غزل، کراچی

خط : محترم مدیر صاحب ! ماہ نامہ فہمِ دین کا ستمبر 2017 کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ یہ رسالہ پہلی دفعہ میں نے پڑھا ہے، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بنتِ عامر کی کہانی ''آنسوؤں اور آہوں کی رُوداد سن'' نے دِل کو چھو لیا۔ ہمیں مل کر اپنے مسلمان بہن بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے کہ یہ ہمارا فرض ہے۔ رسالہ پڑھتے پڑھتے کب ختم ہو گیا پتا ہی نہ چلا۔ باورچی خانہ اور ہماری صحت کا سلسلہ امی جان کو بہت پسند آیا۔ اُمید کرتی ہوں کہ میرے اس خط کو آپ شائع کریں گے۔ مرسلہ : عائشہ ندیم، کراچی

pg48

US ENTER-PRISES

11

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

فروری 2018ء بمطابق جمادی الاول 1439ھ

کراچی سے بیت السلام کے منتظمین کا دورہ ترکی، ٹرسٹ کے زیرِ انتظام جاری کاموں کا جائزہ لیا، اسکول بھی وزٹ کیے

بچوں کو سبق پڑھایا، اسٹشنری بسکٹ، ٹافیاں اور چاکلیٹ تقسیم کیے

کراچی (پ ر) بیت السلام خیمہ بستی کے لیے ترُک رفاہی اداروں آفاد اور دیانت فاؤنڈیشن کے ذریعے شامی متاثرین کے لیے ترکی جانے والے کنٹینر جو گزشتہ دنوں کراچی سے روانہ ہوئے تھے ترکی پہنچ گئے ہیں۔ یہ سامان بیت السلام کے ترکی میں واقع مرکز پہنچایا گیا' اس کے بعد خیمہ بستیوں تک حسبِ ضرورت پہنچایا گیا' خیمے نصب کیے گئے' شامی خاندان اس بستی میں منتقل ہو گئے اور دیگر سامان تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر بیت السلام انتظامیہ کا اعلیٰ سطح کا وفد بھی ترکی میں موجود رہا۔ ہزاروں افراد کے لیے لگائی جانے والی بیت السلام خیمہ بستی کے اس عظیم الشان منصوبے کو اپنی نگرانی میں جاری رکھا۔ بیت السلام انتظامیہ کے احباب نے اس موقع پر سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ سلطان عبدالحمید الثانیؒ سے موسوم اسکول اور معاذ بن جبلؓ اسکول کا بھی دورہ کیا' بچوں سے ملاقات کی' اور انھیں ایک سبق بھی پڑھایا اور بچوں میں اسٹشنری' نیز بسکٹ اور چاکلیٹ وغیرہ بھی تقسیم کیے۔ دریں اثنا کراچی سے دو کنٹینر مزید روانہ کیے گئے ہیں' ایک میں دس ہزار کے قریب مردانہ ٹراؤزر اور دوسرے میں 800 سے زیادہ کارٹن شیمپو کے ہیں جن میں سوا لاکھ سے زیادہ پیکٹ ہیں۔

بیت السلام ایجوکیشنل فاؤنڈیشن نے 2 روزہ ونٹر کیمپ لگایا، پُرفضا مقام پر لگائے گئے کیمپ میں 60 سے زیادہ طلبہ شریک ہوئے

طلبہ بہت لطف اندوز ہوئے، تعلیم، تربیت اور تفریح کا زبردست امتزاج رہا

کراچی (نمائندہ خصوصی) موسم سرما کی چھٹیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیت السلام ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے ذیلی شعبے یوتھ کلب نے طلبہ کے لیے شہر قائد سے باہر ایک پُر فضا مقام پر 2 روزہ ونٹر کیمپنگ کے انعقاد کا اہتمام کیا' جس میں 60 سے زائد طلبہ نے شرکت کی۔ کیمپ میں ان سرگرمیوں کا اہتمام کیا گیا: ٹریکنگ' ٹریجر ہنٹ' فٹ بال' بزم' کیمپ فائر' باربی کیو اور مختلف موضوعات پر پریزینٹیشنز بھی دی گئیں۔ طلبہ ان تمام سرگرمیوں سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

مکاتبِ قرآنیہ کے توسّط سے شالیں، جرسیاں کپڑے اور جوتے تقسیم کیے گئے

کے پی ہسندھ اور بلوچستان کے انتہائی پسماندہ علاقوں کے ہزاروں مستحق افراد شامل ہیں

کراچی (نمائندہ خصوصی) بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام مکاتبِ قرآنیہ کے توسط سے کے پی' سندھ اور بلوچستان کے انتہائی پسماندہ علاقوں میں ہزاروں مستحق افراد میں گرم شالیں' جرسیاں' کپڑے اور جوتے تقسیم کیے گئے ان علاقوں میں چترال' تھل جیکب آباد' ٹھٹھہ' قمبر شہداد کوٹ' بھاگ ناڑی' فیض گنج' ٹھری میرواشامل ہیں۔

بیت السلام فوڈ بنک: ہر ماہ ہزاروں مستحقین تک پکا پکایا کھانا پہنچاتا ہے

ترجیح دی جاتی ہے، نجی ٹی وی چینل نے فوڈ بنک سرگرمی کی رپورٹ بھی نشر کی

کراچی (نمائندہ خصوصی) بیت السلام فوڈ بنک ہر ماہ ہزاروں مستحق افراد تک پکا پکایا کھانا پہنچاتا ہے' کراچی کے ساتھ ساتھ فیصل آباد' تلہ گنگ اور اسلام آباد میں بھی مشن جاری ہے' پس ماندہ بستیاں اور مزدور پیشہ افراد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ دریں اثنا نجی ٹی وی چینل نے بیت السلام فوڈ بنک کی سرگرمی سے متعلق ایک رپورٹ بھی نشر کی۔

Brighto™
Inspired by Nature
Regd. # MC-1366
Brighto
STAIN FREE
EASY WIPE
اب دیواریں رہیں
صاف شفاف
بِنا رنگ اُڑائے!
Brighto
PAINTS
brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | www.brightopaints.com